ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

اکتوبر ۱۹۹۰ء

تکمیلِ ہدایت

یہ ریگستانِ حجاز کی بادشاہت کا پہلا دن نہ تھا، یہ عرب کی ترقی وعروج کے بانی کی پیدائش نہ تھی، یہ محض قوموں کی طاقتوں کا اعلان نہ تھا، یہ صرف نسلوں اور ملکوں کی بزرگی کی دعوت نہ تھی۔!

بلکہ۔!

خُدا کی ایک ہی اور عالمگیر بادشاہت کے عرش جلال وجبروت کی آخری اور دائمی نمود تھی، یہ ہدایتِ الٰہی کی تکمیل تھی۔ یہ شریعتِ ربانی کے ارتقاء کا مرتبۂ آخری تھا۔ یہ سلسلۂ ترسیلِ رسل ونزولِ صحف کا اختتام تھا، یہ سعادتِ بشری کا آخری پیغام، یہ وراثتِ ارضی کی آخری بخشش تھی۔ یہ اُمتِ مسلمہ کے ظہور کا پہلا دن تھا، اس لئے کہ یہ حضرت خاتم المرسلین ورحمۃ للعلمین محمد بن عبداللہ کی ولادتِ باسعادت تھی، صلی اللہ علیہ وسلم۔

(امام العصر مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ)

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ شعبۂ تبلیغ عالمی مجلس احرارِ اسلام

افکارِ احرار

عظمت کی سجدہ ریزی

میں تو کبھی کبھی یوں بھی سوچا کرتا ہوں کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کے اوصافِ حمیدہ، آپ کے کمالات، آپ کے محاسن، غرض یہ کہ آپ کی مختلف الانواع بے مثال خوبیوں کو دیکھ کر جی یہ چاہتا ہے کہ ایسے گوناگوں محاسن سے متصف شخصیت کو کیوں نہ معبود بنالیا جائے۔ مگر جب اس عظمت کو کسی دوسری عظمت کے حضور انتہائی عاجزی اور انکساری کے عالم میں پوری دردمندی کے ساتھ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہتے ہوئے سجدہ ریز پاتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ جس کے آستانۂ عالیہ پر یہ عظمت سرنگوں ہے وہ ذات کتنی عظیم، کتنی بلند اور کتنے اوصاف و محاسن کی مالک ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہمیں تو ختم المرسلین کی عظمت نے اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن کی عظمت و رفعت سے روشناس کرایا ہے،

یتیمِ مکہ محمّدؐ کہ آبروئے خدا است
کسے کہ خاکِ رہش نیست بر سرش خاک است

(امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ)

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۷۵۵

ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
اکتوبر 1990ء
جلد ۱ ● شمارہ ۱

رئیس التحریر : ابنِ امیرِ شریعت سیّد عطاء المحسن بُخاری
مُدیر ـــ : سیّد محمّد کفیل بُخاری

سرپرست اکابر

حضرت مولانا خواجہ خان محمّد مدظلہٗ
حضرۃ سیّد نفیسُ الحسینی ـــ مدظلہٗ
مولانا محمّد اسحٰق صدّیقی مدظلہٗ
مولانا حکیم محمود احمد ظفر مدظلہٗ
مولانا محمّد عبدُ اللہ مدظلہٗ
مولانا عنایتُ اللہ چشتی ـ مدظلہٗ
مولانا محمّد عبدُ الحق ـ مدظلہٗ

رُفقاءِ فکر

ـــ سیّد عطاء المؤمن بُخاری
ـــ سیّد عطاء المھیمن بُخاری
ـــ سیّد عبدُ الکبیر بُخاری
ـــ سیّد محمّد ذوالکفل بُخاری
ـــ سیّد محمّد ارشد بُخاری
ـــ سیّد خالد مسعود گیلانی
ـــ عبدُ اللطیف خالد ● اختر جنجوا
ـــ عمر فاروق عمر ● خادم حسین
ـــ قمر الحسنین ● بدرِ مُنیر احرار

زرِ معاونت اندرونِ مُلک

فی پرچہ = ۵/ روپے
سالانہ = ۶۰/ روپے

بیرونِ مُلک

سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت، بنگلہ دیش، انڈیا، دبئی، برطانیہ، تھائی لینڈ، ہانگ کانگ، برما، نائجیریا، جنوبی افریقہ، شمالی افریقہ ۳۰۰/ روپے سالانہ پاکستانی

خط و کتابت کا پتہ : دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان، پاکستان، فون : ۴۲۸۱۳

پبلشر : سیّد محمّد کفیل بخاری ـ پرنٹرز : تشکیل احمد اختر مطبع : تشکیل نو پرنٹرز پرانی غلہ منڈی ملتان مقامِ اشاعت : دارِ بنی ہاشم مہربان کالو

آئینہ

مضامین	تحریر	صفحہ
اداریہ	مدیر	۳
جاگتے کا خواب	سیّد عطاء المحسن بخاری	۵
مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت امیرِ شریعتؒ	۷
ظہورِ قدسی	مولانا ابوالکلام آزادؒ	۸
رحمۃ للعالمین کی ولادت باسعادت (نعت)	علامہ طالوت مرحوم	۱۰
میلادِ نبوی اور موضوع روایات	مولانا ابوالکلام آزادؒ	۱۱
خاتم الانبیاء کے حضور (نعت)	جناب عاصی کرنالی	۲۵
دینِ اسلام کا مزاج	مولانا ابوالحسن علی ندوی	۲۶
کیا جمہوریت میں اسلام ہے؟	حافظ مسعود احمد	۲۹
آغا شورش کاشمیری اور علامہ احسان الٰہی کے جلسہ میں	خالد ہمایوں	۳۷
جادۂ اعتدال	مولانا محمد عبدالحق چوہان	۴۰
ہندو کی چھوت چھات	جناب محمد حسن چغتائی	۴۷
مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم	حضرت شاہ محمد یعقوب مجددیؒ	۴۸
خطیبِ اعظم کے حضور (نظم)	جناب حافظ لدھیانوی	۴۹
چمن چمن اُجالا	نمائندگانِ نقیب	۵۰
زبان میری ہے بات اُن کی	خادم حسین	۵۴
حسنِ انتقاد	سیّد ذوالکفل بخاری	۵۶
زبانِ خلق	قارئینِ نقیب	۶۱

دل کی بات

اس وقت انتخابی سیاست عروج پر ہے، اور انتخابی مہم زوروں پر! انتخابی اکھاڑے میں آئی جے آئی اور پی ڈی اے ہی دو بڑے حریف ہیں۔ نگران حکومت اور پاک فوج کی طرف سے بار بار یقین دہانیوں کے بعد سیاست دانوں کو کچھ اعتماد سا ہوا ہے کہ ۲۴ اکتوبر کو واقعی انتخابات ہوں گے۔ جوں جوں انتخابات قریب آرہے ہیں صورتِ حال بھی بدلتی جا رہی ہے۔ سیٹوں کی تقسیم کے مسئلہ پر دونوں متحارب اتحاد انتشار و تفریق کا شکار ہیں۔

ادھر جماعتِ اسلامی، درخواستی گروپ، اور نیازی گروپ کچھ نالاں و ترساں ہیں تو اُدھر ساجد نقوی پریشان حال اور "تیسری دنیا" اپنی جگہ متفکر ہے!

انتخابی مہم کے ساتھ ساتھ "احتساب" کا عمل بھی جاری ہے جو براہِ راست انتخابی عمل پر اثر انداز ہو رہا ہے اس کی سست رفتاری اور بعض ریفرنسوں کے ناقص ہونے کے سبب انتخابی مہم مزاحمتی تحریک میں بدلتی نظر آرہی ہے۔ قرائن بتاتے ہیں کہ پی پی پی کی قیادت ملک کو کسی تحریک سے دوچار کرنے کے موڈ میں ہے کہ یہ اس کی آمرانہ سوچ کا ایک حصہ ہے، اور بظاہر عوامی جمہوری اتحاد اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

ملکی سیاست میں لسانی، علاقائی، خاندانی اور گروہی تعصبات اس بری طرح سرایت کر چکے ہیں کہ تشدد اور سیاست لازم و ملزوم ہو گئے ہیں، زبان و قلم کی جگہ کلاشنکوف نے لے لی ہے۔ سیاسی جماعتوں میں اجرتی کارکنوں کی بہتات ہو گئی ہے۔ اسلحہ بے پناہ ہے اور اس کے آزادانہ استعمال کا رجحان بڑھ گیا ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی تحریکی صورت پیدا ہوتی ہے تو ملک کو خانہ جنگی کی صورت میں تباہی و ہلاکت خیزی کے طوفان میں دھکیلنے کی سازش خدانخواستہ کامیاب ہونے کا خطرہ ہے۔

موجودہ سیاسی فضا میں بیرونی مداخلت کا پہلو بھی انتہائی افسوسناک ہے۔ امریکی سفیر اوکلے کا بیان اور فرانس کی طرف سے پاکستان کی دفاعی ضروریات کو بے نظیر کے وجود سے مشروط کرنا ہمارے ملکی معاملات میں واضح مداخلت ہے کیا یہ بات درست ہے کہ بے نظیر امریکہ و فرانس کے مفادات کے تحفظ کے لئے سیاست کر رہی ہیں؟

جہادِ افغانستان، خلیج کا بحران اور جہادِ کشمیر پر سابق وزیرِ اعظم کا مؤقف اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انہوں نے بھارت اور دیگر ملکوں کے مفادات کے تحفظ کو پاکستان کی بقا اور مفاد پر ترجیح دی، امریکہ و فرانس اور دیگر مغربی ممالک سابق وزیرِ اعظم کو دوبارہ برسرِ اقتدار لانے کے لئے جو راستہ ہموار کر رہے ہیں اس سے یہ بات واضح ہے [illegible] یہ ممالک بھانپ چکے ہیں کہ پاکستانی عوام [illegible] کو تہذیبی انقلاب کی یلغار سے ہی ممکنہ اور مطلوبہ حد تک گمراہ کیا

جا سکتا ہے۔ ان کے لئے بے نیظیر کا وجود ان مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے بہت بہتر بلکہ ضروری ہے۔ مغربی ممالک کو سابق وزیراعظم کا یہ بتانا کہ "مجھے جان کا خطرہ ہے"۔ دراصل انہیں اندرونی معاملات میں مداخلت کی دعوت دینا ہے اگر وہ کوئی ایسا خطرہ محسوس کرتی ہیں تو انہیں اپنے ملک کی عدلیہ سے تحفظ حاصل کرنا چاہیئے۔

دینی جماعتوں کی پوزیشن

دینی جماعتوں کے سیاسی کردار کے بارے میں شروع سے ہمارا واضح اور دوٹوک نقطۂ نظر رہا ہے کہ اوّل تو موجودہ جمہوری نظام ان کے مقاصد کی تکمیل کی بجائے اس جدوجہد کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ لیکن اگر وہ اس نظام کو طوعاً وکرھاً قبول کرنے پر مجبور ہیں یا انہیں کوئی دوسری راہ سجھائی نہیں دیتی یا اُسے اختیار کرنے کی ہمت نہیں تو پھر اس نظام کے راستے سے بھی کوئی متحدہ کوشش ہی ان کے "عذرِ گناہ" کو کم تر از گناہ" ثابت کر سکتی ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس! دینی جماعتیں دونوں بڑے سیاسی دھڑوں کے اغراض ومقاصد کی تکمیل میں شعوری یا غیر شعوری طور پر مصروف ہیں ان کے مسلکی مفادات نے انہیں یہاں لا کھڑا کیا ہے۔ اور وہ بھی اس حالت میں کہ خود ہر جماعت دو دو تین تین حصوں میں تقسیم ہے۔ بار بار کے ناکام سیاسی تجربوں اور شکست وریخت کے بعد بھی اگر علماء اور مشائخ اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی نہیں کرتے اور اسی طرح انتشار وافتراق میں مبتلا رہتے ہیں تو پھر کون ہے جو ان بے دینوں اور سیکولرسٹوں کا راستہ روکے گا؟ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ آپ کو احکم الحاکمین کی عدالت میں جواب دینا ہے؟ اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے صرف یہ کہہ دینا کہ "میں شرمسار رہوں" کوئی معقول بات نہیں۔ دین وشریعت اتحاد کی قدرِ مشترک ہے، اور مفادات افتراق کا منبع! اگر اسمبلی میں پہنچنا ہی ہے تو پھر اپنے مفادات قربان کیجئے اور دین وشریعت کے تحفظ کی قدرِ مشترک پر اکٹھے ہو کر —— مضبوط قوت کی صورت میں اس نظام سے ٹکرا جایئے۔

ہم گزشتہ اشاعت میں بھی کہہ چکے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ انتخابات میں کسی شیعہ، شیعہ نواز، مرزائی، مرزائی نواز، اور بے دین کو ہرگز ووٹ نہ دیں جو ان کی ناکامی کا ذریعہ بنے اس سے تعاون کریں۔ ورنہ اپنا ووٹ قتل نہ کریں۔

اپنے قارئین سے

کاغذ اور طباعت کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے "ہم نقیب ختم نبوت" کے سالانہ چندہ میں صرف دس۱۰/ روپے کا اضافہ کر رہے ہیں آئندہ سے سالانہ چندہ ساٹھ ۶۰/ روپے ہے۔

اور جنوری ۱۹۹۱ء سے ہر پرچہ کی قیمت میں ایک روپیہ کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔

قارئین! جس طرح آپ پہلے اپنے ادارہ سے تعاون کرتے چلے آ رہے ہیں، ہمیں امید ہے کہ آپ آئندہ بھی دستِ تعاون بڑھائیں گے۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ادارہ ہر ماہ چار ہزار روپے کا مقروض ہوتا ہے، اور یہ خسارہ آپ کے تعاون سے ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔

سید عطاء المحسن بخاری

جاگتے کا خواب

میں دیکھتا ہوں

دور افق پر محیط حدِ نگاہ تک

آدم زادوں کا اژدہام ایسا ہے کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں

محشر کا سماں ، سانس تک لینا گراں

اتنے میں ایک اجنبی ہراساں ، بھیڑ چیرتا ہوا میری جانب لپکا اور اپنے حواس درست کرتے ہوئے یوں گویا ہوا

یہ ہجوم کیسا ہے ؟ تم کون ہو ؟

میں مسافر ہوں ، اس انبوہ میں گھر گیا ہوں !

کہاں کے باسی ہو ؟ پچھم کی اُور بہت دور کا

یہاں کیسے آنا ہوا ؟ آدم کی تلاش میں ، دیکھو یہ سبز پوش چوڑے چکلے سرو قد سب بنی آدم ہیں ، گلاب کی مانند کھلے چہرے ۔

جوان رعنا ، گل گوں قبا ، رنگ درد غن ایسا کہ کعبہ میں سجے ہوئے بت دکھائی دیں ۔

یہ ان لوگوں کی اولاد ہیں جنہوں نے اللہ ، رسول ، قرآن ، کعبہ اور اسلام کے نام پر دھرتی حاصل کی تھی ، اس دھرتی پر کھڑے انہیں تنتالیس سال بیت چکے ہیں ۔

اچانک میں نے دیکھا ، اجنبی سسکیاں لے رہا تھا ، پھر روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی ، وہ نڈھال ہو گیا ۔ میں ڈر گیا اور بھاگنے لگا ۔

اچانک اجنبی نے نحیف سی آواز میں کہا

رک جاؤ !

اور پھر اس نے کراہتے ہوئے کہا

ہاں ! میں ان میں سے ایک ایک کو جانتا ہوں ، چہرے پہچانتا ہوں

ان کے آباؤ اجداد کو بھی جانتا ہوں

گلہ نیستند آدم غلاف آدم اند

تم مرے قریب آؤ، مجھے غور سے دیکھو، مجھے پہچانو!

میں نے آنکھیں کھول کے دیکھا تو کچھ بھی نہ تھا، چودھویں رات کا چاند آسمان کے وسط سے نور برسا رہا تھا۔ مگر ایک کربناک آواز فضا کو مرتعش کئے جا رہی تھی، میرا پیغام انہیں سنا دو، میرا پیغام انہیں سنا دو پوری طاقت وقوت کے ساتھ میرا پیغام پہنچا دو۔

اگر تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع نہ کی تو صدیوں یوں ہی بھٹکتے رہو گے۔ اور کافرانہ خواہشوں کی دلدل میں یوں ہی دھنستے چلے جاؤ گے، فنا کے گھاٹ اتار دیے جاؤ گے، اور تمہارا نشان تک باقی نہ رہے گا۔"

بچو بچو! کہ ابھی وقت باقی ہے، سنبھلو کہ ابھی میں تمہارے پاس ہوں تمہاری زبان پر تو ہر وقت میرا نام ہے۔ مگر میں تمہارے لئے اجنبی ہوں

ہاں میں اجنبی ہوں، میں اجنبی ہوں اور جن قوموں کے لئے میں اجنبی ہو جاؤں وہ قومیں پستیوں اور ذلتوں کی کھائی میں گرا دی جاتی ہیں۔

میں اسلام ہوں۔ اور سلامتی، عزت، عظمت، ترقی، بقاء آبرو اور بقاء دوام صرف میرے ساتھ وابستہ ہے!

مومنین اہل سنت والجماعت کے لیے ایک عظیم علمی تحفہ
کتاب نماز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
قیمت ۴۵/۰۰ روپے

• جس میں مسائل قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور آثار صحابہؓ سے مدلل
• پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی نماز کی واضح علمی تصویر
• مستند ماخذ، علمی سرمایہ، عام فہم انداز بیان، دلکش ترتیب۔
• اردو خواں حضرات کیلئے مدنی تحفہ جس کی افادیت مسلمہ ہے۔
• امام ابو حنیفہؒ کی علمی عظمت. فلسفیانہ انداز استدلال اور سنت سے والہانہ وابستگی کی ایک جھلک۔

ہر اچھے بک سٹال سے یا براہ راست ہم سے طلب کریں

تالیف: الشیخ محمد الیاس فیصل مدینہ منورہ
تقدیم: الشیخ محمد شفیق اسعد
سنی پبلی کیشنز پوسٹ بکس نمبر ۷۶۶، لاہور

سیّدنا امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ

زمہر و ماہ سلام وز برگ برگ دُرود

ہزار صبحِ بہار از نگاہ می چکدش   جنوں ز سایۂ زلفِ سیاہ می چکدش

چمن چمن گل و نسریں ز عکسِ رُخ ریزد   سبد سبد گل خنداں ز راہ می چکدش

بہ پیش گاہِ جمالش، جلال سر بہ سجود   چہ خندہ گو چہ تبسّم کہ جاہ می چکدش

صد آفتاب بہ زیرِ گلیم می رخشد   ز دلقِ فقر چہ گویم کہ ماہ می چکدش

چہ شورہاست بجانم ز خندۂ نمکیں   چہ فتنہ ہا کہ ز چشمِ سیاہ می چکدش

ہزار حشر بدامن، ہزار فتنہ بجیب   ہزار فتنہ ز چشمِ سیاہ می چکدش

چہ گفتگو چہ تبسّم شہادتے بحُدوث   ز نورِ چہرہ قِدم را گواہ می چکدش

قِدم بہ جلوہ بہ بین و حدوث را بہ جبیں،   چہ جلوہ و چہ جبیں لَا اِلٰہ می چکدش

نگہ گُنبد بہ بختِ بلند بیوہ زنے   کہ از کنارِ عزیبش چہ ماہ می چکدش

حذر ز خاکِ نشینے شکستۂ دل ریش   کہ صد ہزار جہنّم ز آہ می چکدش

زمہر و ماہ سلام وز برگ برگ دُرود   چہ خاکِ طیبہ کہ شام و پگاہ می چکدش

بہ تو ندیم سیہ رُو چہ ماجرا گوید
جز ایں کہ از سرِ ہر مو گناہ می چکدش

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

ظہورِ قدسی

رات لیلۃ القدر بنی ہوئی نکلی ، اور خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَہْرٍ کی بانسری بجاتی ہوئی ساری دُنیا میں پھیل گئی۔ مؤکلانِ شبِ قدر نے مِنْ کُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ کی سیجیں بچھا دیں۔ ملائیکانِ ملاُ الاعلیٰ نے تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْہَا کی شہنائیاں شام سے بجانی شروع کر دیں۔ حوریں بِاِذْنِ رَبِّہِمْ کے پروانے ہاتھوں میں لے کر فردوس سے چل کھڑی ہوئیں اور ہِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ کی میعادی اجازت نے فرشتگانِ مغرب کو دنیا میں آنے کی رخصت دے دی، تارے نکلے اور طلوعِ ماہتاب سے پہلے عروسِ کائنات کی مانگ میں موتی بھر کر غائب ہو گئے، چاند نکلا اور اس نے فضائے عالم کو اپنی نورانی چادر سیمین سے ڈھک دیا، آسمان کی گھومنے والی قوسین آپ اپنے مرکز پر ٹھہر گئیں بروج نے ستاروں کے پاؤں میں کیلیں ٹھونک دیں۔ ہوا جنبش سے، افلاک گردش سے، زمین چکر سے دریا بہنے سے رُک گئے۔ اور کارخانۂ قدرت کسی مقدس مہمان کا خیر مقدم کرنے کے لئے رات کے بعد اور صبح سے پہلے بالکل خاموش ہو گیا۔ انتظام و اہتمام کی تکان نے چاند کی آنکھوں کو جھپکا دیا، نسیمِ سحری کی آنکھیں جوشِ خواب سے بند ہونے لگیں۔ پھولوں میں نکہت، کلیوں میں خوشبو، کونپلوں میں بو محوِ خواب ہو گئی، درختوں کے مشام خوشبوئے قدس سے ایسے مہکے کہ پتا پتا مخمور ہو کر سربسجود ہو گیا، ناقوس نے مندروں میں بتوں کے سامنے سر جھکانے کے بہانے آنکھ جھپکائی، برہمن سجدے کے حیلے سر بہ زمین ہو گیا۔ غرضیکہ کائنات کا ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ ایک منٹ کے لئے غیر متحرک ہو گیا، اس کے بعد وہ منٹ آگیا، جس کے لئے یہ سب انتظامات تھے فرشتوں کے پرے خوشبوؤں سے بھرے آسمانوں سے زمین پر اترنے لگے اور دنیا کے جمود میں ایک بیدار انقلاب پوشیدہ طور پر کام کرتا ہوا نظر آنے لگا۔ ملہمِ غیب نے منادی کی کہ افضل البشر خاتم الانبیاء سراپردۂ لاہوت سے عالمِ ناسوت میں تشریف لانے والے ہیں رات نے کہا میں نے شام سے اک سا انتظار کیا ہے۔ اس گوہرِ رسالت کو میرے دامن میں ڈال دیا جائے۔ دن نے کہا میرا رتبہ رات سے بلند ہے مجھے کیوں محروم رکھا جائے، دونوں کی حسرتیں قابلِ نوازش نظر آئیں کچھ حصہ دن کا لیا۔ کچھ رات کا۔ نور کے تڑکے نورِ علی نور کی نورانی

آوازوں کے ساتھ دستِ قدرت نے دامنِ کائنات پر ردۂ لعل باہار رکھ دیا۔ جس کے ایک سرسری جلوے سے دنیا بھر کے ظلمت کدے منور اور روشن ہوگئے سرزمینِ حجاز جلوۂ حقیقت سے لبریز ہوگئی۔ دنیا جو سُرورِ جمود وکیف میں تھی اک دم متحرک نظر آنے لگی۔ پھولوں نے پہلو کھول دیے، کلیوں نے آنکھیں واکیں۔ دریا بہنے لگے ہوائیں چلنے لگیں، آتش کدوں کی آگ سرد ہوگئی۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، لات ومنات، ھُبل و عُزات کی توقیر پامال ہوگئی۔ قیصر وکسریٰ کے فلک بوس بروج گر گر پاش پاش ہوگئے۔ درختوں نے سجدہ شکر سے سر اٹھایا رات کچھ روٹھی ہوئی سی، چاند کچھ شرمایا ہوا تھا، تارے نادم ومحجوب سے رخصت ہوئے اور آفتاب شان وفخر کے ساتھ مسرت ومباہات کے اجالے لئے ہوئے کرنوں کے ہار ہاتھ میں قرصِ نور تھال میں، ہزاروں ناز وادا کے ساتھ افق مشرق سے نمایاں ہوا، حضرت عبداللہ کے گھر میں، آمنہ کی گود میں، عبدالمطلب کے گھرانے ہاشم کے خاندان میں اور مکہ کے ایک مقدس مکان میں خُلاصۂ کائنات فخرِ موجودات، محبوب خدا امام الانبیاء، خاتم النبیین رحمۃ للعالمین یعنی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما کے عز وجلال ہوئے۔ سُبحان اللہ ربیع الاوّل کی بارھویں تاریخ کتنی مقدس تھی جس نے ایسی سعادت پائی اور پیر کا روز کتنا مبارک تھا جس میں حضور نے نزول واجلال فرمایا۔

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِيۡنَ

انا للہ وانا الیہ راجعون

مجلس احرارِ اسلام رحیم یار خان کے دیرینہ رفیق ومُعاون ملک منورالدین صاحب گذشتہ دنوں رحلت فرماگئے۔ ملک صاحب مرحوم نہایت مخلص دینی کارکن تھے اور بڑے جذبہ کے ساتھ دینی تحریکوں اور سماجی خدمات میں سرگرم رہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

مجلس احرار اسلام ڈیرہ اسماعیل خان کے مخلص کارکن جناب حاجی غلام یٰسین صاحب (عشرت آرٹ پریس والے) گذشتہ ماہ انتقال فرماگئے۔ مرحوم آخر وقت تک جماعت سے منسلک رہے۔ ان کی دینی وسماجی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے حسنِ آخرت کا معاملہ فرمائیں اور درجات بلند فرمائیں۔ لواحقین کو صبر عطا فرمائیں۔

تمام احرار حلقے اور دیگر مسلمان بھائی ان حضرات کی مغفرت وبخشش کے لئے خصوصی دُعا کا اہتمام فرمائیں۔ ادارہ لواحقین کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

حضرت علامہ طالوت رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے

رحمۃ للعلمین کی ولادتِ باسعادت

با آیا ئنا ھوا مّہاتنا

فرشتے ہنس رہے ہیں ، لعنتی شیطان روتا ہے
خدا کا گھر خدا کے نور سے آباد ہوتا ہے

زمیں کا مرتبہ بڑھتا ہے باوصفِ نگونساری
کہ آنے والے ہیں اس پر حبیبِ حضرت باری

زمیں کو اس ترقی پر فلک سے داد ملتی ہے
فلک کیا عرشِ اعلیٰ سے مبارکباد ملتی ہے

گئے انسانیت کے ذلت وخواری کے دن بیشک
گئے مظلوم کی آہوں کے اور زاری کے دن بیشک ۔

ہوا ہی چاہتا ہے خاتمہ باطل کی ہستی کا
یہی ہے آخری دن گویا شخصیت پرستی کا

ہے مٹنے کو خدایانِ کہن کی گرم بازاری
ہبل پر نائلہ پر لات پر لرزہ ہوا طاری

ادب سے سر جھکاؤ مالکِ لولاکؐ آتے ہیں
ردائے اِنَّمَا اوڑھے نبیؐ پاک آتے ہیں

مولانا ابوالکلام آزادؒ

میلادِ نبوی — اور — موضوع روایات

ولادتِ نبوی کے سلسلہ میں بہت سی موضوع اور ضعیف روایات رائج ہیں۔
احمد حسین خان بی اے نامی ایک صاحب نے حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ رحمۃ اللہ علیہ سے مجالس مولدِ نبوی میں بیان کی جانے والی انہی روایات کی حقیقت دریافت کی ہے۔ یہ استفسار اور جواب ۱۳ فروری ۱۹۱۳ کے "الہلال" میں شائع ہوا۔ (ادارہ)

استفسار

چند دنوں کے بعد ماہ مبارک ربیع الاول آنے والا ہے جبکہ مولود شریف کی مجلسیں جابجا منعقد ہوں گی۔ لیکن جس طریقے سے یہ مجلسیں منعقد ہوتی ہیں اور جو حالات و واقعات ان میں بیان کیے جاتے ہیں، معلوم نہیں جناب کا خیال اس بارے میں کیا ہے؛ میں تو اس کو نہایت افسوسناک سمجھتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ یہی حالات و واقعات ہیں، جنھوں نے حضرت بانیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے متعلق مخالفین کے دلوں میں شکوک پیدا کر دیے ہیں۔

ایک مدت سے میرا خیال تھا کہ ایک مختصر سا رسالہ آنحضرت کے حالات میں جمع کر دوں، جس کو مولود شریف کی مجلسوں میں پڑھا جائے، لیکن جس طرح کے حالات کی تلاش تھی وہ کہیں نہیں ملتے تھے۔ عرصہ ہوا ایک رسالہ امیر احمد امیر مینائی صاحب نے شائع کیا تھا اور لکھا تھا کہ اس میں حالاتِ زندگی ایک بہت بڑے عالم کی مدد سے لکھے گئے ہیں لیکن اسے بھی دیکھا، از سرتاپا وہی قصے بھرے تھے۔

اس سال میں نے بطور دستور کے ایک تحریر لکھی اور چند علمائے دین کو بغرض اصلاح سنائی، لیکن وہ اس امر پر نہایت برہم و ناراض ہوئے کہ ذکر ولادت کے وہ واقعات اس میں نہ تھے جو تمام کتب مولود میں بیان کیے گئے ہیں۔ میں نے ان میں سے ایک صاحب تصنیف عالم سے عرض کیا کہ کیا یہ واقعات مستند تاریخوں اور حدیث کی کتابوں میں لکھے ہیں؟ انھوں نے جواب میں لکھا کہ "یہ تمام واقعات و معجزات صحیح ہیں جن کو تمام مورخین و محدثین نے ہمیشہ بیان کیا ہے۔ بڑے بڑے علمائے دین اور اکابر اسلام نے ان کی تصدیق فرمائی ہے اور ان کو پڑھا ہے اور مجلسوں میں سنا ہے، البتہ آج کل کے نیچریوں اور لامذہبوں کو ان کے ماننے میں تامل ہے، کیونکہ انگریزی کتابوں میں مرقوم نہیں۔"

آپ ہمیشہ ہم انگریزی دانوں کو الحاد اور مذہبی غفلت کا الزام دیتے ہیں، لیکن جس انداز اور طریقے سے

دیتے ہیں، اس کی وجہ سے ہم نہایت خوش ہیں اور آپ کو اپنا خیر خواہ اور مصلح سمجھتے ہیں لیکن خدا کے لیے اس بارے میں میری تشفی کر دیجیے کہ آیا یہ واقعات واقعی مستند کتابوں میں مرقوم ہیں ؟ اور ان میں شک کرنا نیچریت اور مذہب سے کنارہ کشی ہے ؟ اگر واقعی ایسا ہے تو انصاف کیجیے کہ کیا یہ واقعات عقل میں آتے ہیں ؟ اور ان کو آج کل کوئی تسلیم کر سکتا ہے ؟ معاف فرمائیے گا اگر ایسے ہی واقعات سنا کر آپ ہم کو دینی جذبات سے برگشتگی کا الزام دیتے ہیں تو دیجیے۔ ہماری سمجھ میں تو نہیں آتے سو وہ واقعات یہ ہیں :

۱۔ حضرت کی ولادت کا وقت قریب آیا تو ایک مرغ سفید نمودار ہوا اور حضرت آمنہ کے پاس آیا، نیز اس شب کو تمام جانوروں اور پرندوں نے گفتگو کی۔

۲۔ حضرت مریم اور حضرت آسیہ کا ولادت سے پہلے آنا اور بشارت دینا۔

۳۔ جب حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے ہوا تو دو سو عورتیں رشک سے مرگئیں۔

۴۔ حضرت کی ولادت کے دن آتشکدۂ ایران بجھ گیا۔ قصر نوشیرواں کے کنگرے گر گئے اور خانہ کعبہ کے بُت اوندھے ہو گئے۔

۵۔ ولادت کے بعد حضرت کچھ دیر کے لیے غائب ہو گئے پھر کسی نے بہشتی کپڑوں میں لا کر رکھ دیا۔

۶۔ روشنیوں کا نمودار ہونا اور عجیب عجیب آوازوں کا سنائی دینا۔

مجالس ذکر حضور کی فضیلت

مولانا نے جواب میں تحریر فرمایا :

آپ کا جوش دینی، محبت ایمانی اور فکر اصلاح مجالس ذکر مولود، مستحق تحسین و لائق تشکر ہے۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ۔

آپ نے ایک نہایت اہم اور ضروری بحث چھیڑ دی۔ جی چاہتا ہے کہ بلا تامل صفحے کے صفحے لکھ جاؤں، لیکن افسوس کہ وقت اور گنجایش سے مجبور ہوں، لہٰذا چند کلمات ضروریہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

مولود کی مجالس کا عجیب حال ہے۔ مقصد مجالس کے لحاظ سے دیکھیے تو فقیر کے اعتقاد میں اس سے زیادہ اہم، عظیم المنفعۃ اور قوم کے لیے ذریعہ ارشاد و ہدایت اور کوئی اجتماع نہیں۔ لیکن طریق انعقاد پر نظر ڈالیے تو اجتماعی و مجلسی قوتوں کے ضائع کرنے کی بھی اس سے زیادہ اور کوئی افسوسناک مثال نہیں ملے گی۔ اسلام ایک تعلیم تھی اور اس تعلیم کا عملی نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کہ :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔ (الاحزاب : ۲۱)	(بے شک رسول اللہ کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے پیروی اور اتباع کا بہترین نمونہ ہے جو اللہ سے ڈرنے اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے اور بہ کثرت ذکر کرنے والے ہیں)

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ اس "صاحب خلق عظیم" کا اخلاق کیا تھا ؟ فرمایا : خلقہ القرآن ! اگر آنحضرت کا

اخلاق دیکھنا ہے تو قرآن کو دیکھ لو کہ اس "کتاب مرقوم" کا وہ ایک "ظل مجسم" اور اس کے عملی نمونے کی ایک "لوح محفوظ" تھے!
و فی ذلک فلیتنافس المتنافسون[1]

اصل مقصد کیا تھا

پس مولود کی مجلسوں کا اصل مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ اس "اسوۂ حسنہ" کے جمال الٰہی کی تجلی گاہ ہوتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح حالات زندگی سنائے جاتے۔ ان کے اخلاق عظیمہ اور فضائل کریمہ کے اتباع کی لوگوں کو دعوت دی جاتی اور ان اعمال کا دلوں میں شوق و ولولہ پیدا کیا جاتا، جو ایک "مسلم و مومن" زندگی کے کیرکٹر کا اصلی مایۂ خمیر ہیں اور جن کے اتباع نے صحابہ کرام کی زندگی کو اس درجہ تک پہنچا دیا تھا کہ لسان الٰہی نے "یحبهم و یحبونه[2]" کی صدائے محبت سے ان کی مدح سرائی کی اور اتباع محبوب نے انہیں خود محبوب بنا دیا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (آل عمران: ۳۱)

اے پیغمبر! مدعیان محبت الٰہی سے کہہ دو کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو (اگر تم نے ایسا کیا تو تم کو اللہ کی محبت کے دعوے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ) خود اللہ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا۔ وہ نہایت مہربان بخشنے والا ہے۔

اگر ایسا ہوتا تو ظاہر ہے کہ ان مجالس سے بڑھ کر مسلمانوں کے لیے سعادت کونین کا ذریعہ اور کیا تھا؛ یہ تمام کانفرنسیں، اور انجمنیں جن کا چاروں طرف ہنگامہ بپا ہے، ایک طرف اور اس مجلس کا ایک لمحہ ایک طرف، جو اس "اسوۂ حسنہ" کے نظارے میں بسر ہو۔ ہماری مجلسیں اسی ذکر کے لیے ہونی چاہئیں اور ہماری آنکھیں اسی جمال جہاں آرا کے نظارے کے لیے،

خدا سر دے تو سودا دے تری زلف پریشاں کا

---

[1] اور اس میں چاہیے رغبت کرنے والے رغبت کریں (التطفیف: ۲۶)

[2] اشارہ ہے سورۂ مائدہ کی اس آیت کی طرف،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ (۵۴)

مسلمانو! تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا تو (وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کے پھر جانے سے دین کو کچھ نقصان پہنچے گا) قریب ہے کہ اللہ ایک ایسا گروہ مومنوں کا پیدا کر دے جنہیں خدا دوست رکھتا ہو اور وہ بھی خدا کو دوست رکھنے والے ہوں، مومنوں کے مقابلے میں نہایت نرم اور جھکے ہوئے لیکن دشمنوں کے مقابلے میں نہایت سخت۔ اللہ کی راہ میں جانیں لڑا دیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ اللہ کا فضل ہے جس گروہ کو چاہے عطا فرما دے۔ وہ اپنے فضل میں بڑی ہی وسعت رکھنے والا اور سب کا حال جاننے والا ہے۔

ولنعم ما قیل:

مصلحت دید من آن است کہ یاران ہمہ کار
بگزارند و خم طرۂ یارے گیرند!

صورت قائم، حقیقت مفقود

لیکن بدبختی یہ ہے کہ ہمارے اعمال کی صورتیں مسخ نہیں ہوئیں۔ حقیقت غارت ہو گئی ہے۔ قومی تنزل کے معنی یہی ہیں کہ تمام قومی و دینی اشغال بظاہر قائم رہتے ہیں، لیکن ان کی رُوح مفقود ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ ہماری مسجدیں اُجڑ گئی ہیں۔ کتنے جھاڑ اور فانوس ہیں، جن سے مسجدیں بقعۂ نور بنائی جاتی ہیں! مگر رونا یہ ہے کہ دل اُجڑ گئے ہیں اور یہ وہ بستی ہے کہ جب یہ ویران ہو جائے تو پھر آبادی کہاں!

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ! تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

فانہا لا تعمی الابصار و لکن تعمی القلوب التی فی الصدور[1]

مجھے کیا کہنا تھا اور کیا کہنے لگا۔ بہرحال مولود کی مجلسیں بھی اپنے مقصد کے لحاظ سے ایک بہترین دینی عمل تھیں، جن کی صورت تو قائم ہے، مگر حقیقت مفقود ہے۔ محض ایک رسمی تقریب ہے جو مثل اور رسمی صحبتوں کے ضروری سمجھ لی گئی ہے اور امرا و رؤسا نے تو اپنی نمائش اور ریاء دولت کا اسے بھی ایک ذریعہ بنا لیا ہے۔

روایات ضعیفہ و قصص موضوعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح حالات زندگی اور ان انقلابات عظیمہ کے بیان کی جگہ (جو آپ کی ولادت کے واقعے نے مشرق و مغرب میں پیدا کر دیے) کتنے افسوس کی بات ہے کہ محض چند روایات ضعیفہ و قصص موضوعہ کے بیان کرنے پر اتنے بڑے ملی و دینی جذبے کو قربان کر دیا جاتا ہے! پھر اگر محض طبقہ عوام کا یہ حال ہو تو قابل شکایت نہیں، لیکن تعجب اور صد ہزار تعجب ہے اس بوالعجبی پر کہ صدہا علمائے ملت ہیں جو باوجود ادعائے رسوخ حدیث و سیر و وسعت نظر و علم، ان روایات کو خاموشی کے ساتھ سنتے ہیں۔ خود پڑھتے ہیں اور لوگوں سے پڑھواتے ہیں۔ مگر ایک لمحہ کے لیے بھی ان کے دل میں تحقیق و تفتیش کی جنبش پیدا نہیں ہوتی۔

کاش جس قدر بحث نفس انعقاد مجلس کے سنت و بدعت ہونے کی نسبت کی گئی ہے، وہ اس مجلس کی اصلاح حال کے لیے کی جاتی! وہ تمام چیزیں جو قوم میں شوق و شغف کے ساتھ موجود ہوں، درحقیقت ایک قوت ہیں۔ پس سب سے اول کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اسٹیم کو ضائع کرنے کی جگہ اس سے مفید کام لیا جائے۔ البتہ اگر اصل کار ہی جادۂ شریعت سے منحرف ہو اور صورت اصلاح مفقود تو پھر اس کے استیصال کی کوشش امر بالمعروف میں داخل اور ناگزیر ہے۔

---

[1] پس آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں، جو سینوں میں ہیں۔ (سورۃ حج: ۴۶)

مذہب کے نادان حامی

ہزار تعجب ہے اس عالم، صاحب تصنیف و تالیف کے دعوائے علم پر، جس کے جواب کے بعض جملوں کو آپ نے نقل کیا ہے۔ درحقیقت یہی وہ مذہب کے نادان حامی ہیں جن کی دوستانہ حمایت ہمیشہ دشمنوں کی مخالفت سے زیادہ مذہب کے لیے مضر رہی ہے۔ جن روایات کی نسبت آپ نے تحقیق چاہی تھی، ان کا انکار نہ تو نیچریت ہے اور نہ الحاد، بلکہ عین شیوۂ اسلام و ایمان ہے اور ہر صاحبِ نظر جس کو فنِ حدیث وسیر سے کچھ بھی خبر ہو گی، ایک لمحہ کے لیے بھی ان روایات کو تسلیم نہیں کرے گا۔

آپ اس سعی و کوشش کے لیے مستحق تحسین تھے۔ افسوس کہ اس نادان مدعی علم نے تشدد مذہبی اور حمیت کا بیجا استعمال کیا، حالانکہ جو محل استعمال ہیں ان کی ہمارے علما خبر بھی نہیں لیتے۔

بہت سے لوگ ہیں جو تشدد مذہبی اور تعصب دینی کو علمائے حال کی طرف منسوب کرتے ہیں اور برسوں سے اس پر زور دے رہے ہیں لیکن میں اسے صحیح نہیں سمجھتا۔ مجھ کو تو شکایت ہے کہ جس درجہ تشدد مذہبی علما میں ہونا چاہیے، افسوس ہے کہ نہیں ہے۔ صدہا امور ایسے ہیں جن میں صاف طور پر ان کے بے جا تسامح و مداہنت کو دیکھ رہا ہوں اور حق و معروف کے اعلان سے دانستہ اعراض کیا جا رہا ہے۔ البتہ چند چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن میں تشدد کا اظہار ہوتا ہے، چونکہ یہ اظہار بے محل ہوتا ہے اس لیے محض رائیگاں جاتا ہے بلکہ اکثر موقعوں میں اور مضر ہوتا ہے۔

ایک بڑا نکتہ

ایک بہت بڑا نکتۂ عمل یہ ہے کہ ہر قوت کا استعمال اس کے صحیح محل میں ہو۔ آپ اسٹیم کو جس سے سمندروں میں جہاز، خشکیوں پر ریل اور کارخانوں میں مشینیں چلتی ہیں، ٹاٹ کی بوریوں میں بھر کر غبارہ بنانے کی کوشش نہ کیجیے ورنہ آپ کی قوت اور سعی دونوں رائیگاں جائیں گی۔

یہ اس ذکر کے چھیڑنے کا وقت نہیں ورنہ بجائے خود ایک داستان طولانی ہے۔ اپنی مصیبتوں کا حال یہ ہے کہ چاروں کا کوئی گوشہ دھبے سے خالی نہیں۔ کس کس چیز کو بیان کیجیے؟ کس کس کے حال پر روئیے؟ پھر اتنا وقت کہاں سے لائیے؟

آسودہ شبے باید و خوش مہتابے
تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

معیارِ صحت روایات

لیکن ان روایات کی صحت و عدم صحت کی نسبت آپ نے ضمناً جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، افسوس کہ فقیر ان سے متفق نہیں۔ وہ ایک نہایت خطرناک اصولی غلطی ہے، جس میں زمانۂ حال کے مدعیانِ تحقیق و اجتہاد اور رہروانِ جادۂ تطبیقِ عقل و نقل برسوں سے مبتلا ہیں۔ آپ نے بار بار اس سوال کو دہرایا ہے کہ اگر یہ روایات صحیح ہیں تو کیا عقل میں آ سکتی ہیں؟ جواباً گزارش ہے کہ روایات تو یقیناً صحیح نہیں، لیکن یہ اصول بھی کب صحیح ہے کہ جو واقعہ آپ کی عقل میں نہ آئے وہ یکسر غلط اور موضوع ہے؟

آپ بلا تامل پوچھیے کہ یہ واقعات اصول فن روایت کی بنا پر کہاں تک صحیح اور قابل قبول ہیں؟ اور میں آپ کو

یقین دلاتا ہوں کہ صرف اتنا پوچھ لینا ہی آپ کے مقصد کے لیے کافی ہے لیکن یہ کہاں کا اصول تحقیق اور معیار تمیز حق و باطل ہے کہ واقعے کی صحت کے لیے پہلی شرط آپ کی عقل کی تصدیق ہے ؛ آپ لوگ آج کل بے تکلف یہ جملہ کہہ دیا کرتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ کیسی خطرناک سوفسطائیت کی راہ ہے ، جو اس طرح آپ کے سامنے کھل جاتی ہے ؛ ہر واقعے کی صحت و عدم صحت کے لیے پہلی چیز اصول روایت اور صحت نقل کی شرائط کا اجتماع ہے اور بس ، نہ کہ زید و عمرو کی عقل میں آنا ۔ مجھ کو یقین نہیں کہ مارکونی ٹیلیگرام کو آپ کی عقل تسلیم کرتی ہو[1] اور غالباً آپ نے اب تک اس کا عینی مشاہدہ بھی نہ کیا ہوگا ، لیکن اول مرتبہ جب اس ایجاد کی خبر یورپ کے کسی مستند پرچے میں دیکھی ہوگی اور تمام اخباروں میں اس کی شہرت کا غلغلہ مچا ہوگا تو فرمائیے آپ نے اس کی تصدیق کی تھی یا انکار ؟

صحیح راہِ عمل

آپ کو معلوم نہیں یہی وہ سرحد ہے جہاں سے (باوجود اتحاد مقصد و اصول) مجھے آجکل کے مصلحین مذہب سے الگ ہوجانا پڑتا ہے ۔ ان لوگوں کا یہ حال ہے جس حدیث اور جس روایت کو اپنے خود ساختہ معیار عقلی سے ذرا بھی الگ پاتے ہیں معاً اس سے انکار کر دینے کے لیے بے چین ہوجاتے ہیں اور پھر اس انکار محض کو "تطبیق منقول و معقول" کے مرعوب کن لفظ سے تعبیر کرنے کے علانیہ تمسخر سے نہیں شرماتے ۔ وتقولون بافواهكم ما ليس لكم به علم وتحسبونه هيّنا وهو عند الله عظيم ۔[2]

حالانکہ اگر ان کو علوم دینیہ کے حصول کا موقع ملا ہوتا اور علم و فن پر نظر ہوتی تو وہ دیکھتے کہ اسی مقصد کو اصول فن کے ساتھ چل کر بھی حاصل کر سکتے ہیں ۔

کیا ضرورت ہے ، اِن روایات کی محض اس وجہ سے تغلیط کر دی جائے کہ وہ ہماری عقل میں نہیں آتیں ، جبکہ اصول مقررۂ حدیث و آثار و طریق جرح و تعدیل روایت و تحقیق و نقد و رایت و شہادات موثقہ ارباب علم و فن کی بنا پر بغیر ادنیٰ دقت کے ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ روایات ہی پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں اور اصولِ فن کے اعتبار سے لائق احتجاج نہیں ۔ اس طرح بغیر رشتہ اصول کو ہاتھ سے دیے ، اسی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں ۔

انکار کی جداگانہ بنیادیں

معلوم نہیں آپ نے میری گزارش کو سمجھا بھی یا نہیں ؛ میں کہتا ہوں کہ بہت سی باتیں ہیں ، جن سے انکار کرنے میں ممکن ہے آپ کے مصلحین حال اور ہم متفق ہوں ، لیکن پھر بھی ہم میں اور ان میں بُعد المشرقین ہے ۔ وہ محض اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ ان کی عقل میں نہیں آتی اور ہم اس لیے انکار کرتے ہیں کہ اصول فن سے ان کا قابل تسلیم ہونا ثابت نہیں ۔ فای الفریقین احق بالامن ان ...

---

[1] یہ ۱۹۱۲ء کی تحریر ہے جب لاسلکی یا بے تار برقی کے ذریعے سے پیغام پہنچانے کی ایجاد پر زیادہ وقت نہیں گزرا تھا ۔ اٹلی کا مشہور سائنسدان مارکونی اس کا موجد تھا مولانا نے اسی کی مثال پیش کر دی ۔ [2] تم اپنے منہ سے وہ بات کہتے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہ تھا اور تم اسے سہل سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک بھاری بات تھی ۔ (سورۂ نور : ۱۵)

کنتم تعلمون[1]

آپ کہیں گے کہ نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔ میں کہوں گا کہ منزل تک پہنچنے ہی پر سفر کی کامیابی موقوف نہیں، بلکہ بہت کچھ راہ سفر کے تعین و انتخاب پر بھی ہے۔

آج کل کے مصلحین اور علماے حق

آپ کو نہیں معلوم، صدہا باتیں ہیں کہ آج کل کے مصلحین بھی کہتے ہیں اور انھیں کو امام غزالی اور شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہما نے بھی کہا ہے، مگر دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک سے الحاد پرورش پاتا ہے اور دوسرے سے مذہب کو تقویت ہوتی ہے؛ حالانکہ مقصود پہلی جماعت کا بھی تقویت مذہب ہی ہے۔ یہ فرق حالت بھی زیادہ تر اسی اختلاف طریق کا نتیجہ ہے۔ آپ لوگوں کو شکایت ہے کہ علما آجکل کی چیزوں پر متوجہ نہیں ہوتے۔ یہ سچ ہے، مگر اس کو بھی تو دیکھیے کہ آپ لوگوں نے ان کی نظروں کو متوجہ کرنے ہی کا کون سا سامان کیا ہے؛ لوگ دیکھتے ہیں کہ جس چیز کو آپ "تطبیق عقل و نقل" کہتے ہیں، وہ صرف ایک تیز و برق خرام قینچی ہے جس کو آپ نے اٹھایا اور بے تکان قطع و برید شروع کر دی۔ نہ علم و فن سے مس ہے، نہ اصول و قواعد کی خبر ہے، نہ کتابوں پر نظر ہے اور نہ اس زبان سے واقفیت ہے جس سے قرآن و حدیث کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر وہ آپ کی وقعت کریں تو کیا کریں؛

گو میں اپنے عقیدے میں اس اغماض کو بھی علما کی ایک سخت غلطی سمجھتا ہوں اور بیان وجوہ کا یہ موقع نہیں۔ تاہم اگر وہ اپنے اغماض کی یہ توجیہ کریں تو آپ کیا جواب دیں گے؛

میں جو ہمیشہ شیخ محمد عبدہٗ اور ان کے متبع طریقت سید رشید رضا کی تعریف کرتا ہوں تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بہ نسبت ہندوستان کے مصلحین جدید کے اس نکتے کا زیادہ خیال رکھا ہے، حالانکہ ضرورت ان کے سامنے بھی وہی تھی، جو یہاں درپیش ہے۔

طبقۂ محدثین اور گروہ قصاص

اب آپ اپنے سوالات کا جواب لیں۔ عقل و فلسفہ کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں۔ سرے سے یہ تمام روایتیں ہی از قبیل قصص و حکایات موضوعہ ہیں، جن کا کتب معتبرۂ حدیث میں نام و نشان تک نہیں۔

تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں مگر چند الفاظ کہوں گا۔ یہ کیسی سخت بدبختی کی بات ہے کہ آج مسلمانوں میں جن چیزوں کی سب سے زیادہ شہرت اور عوام و خواص میں جو بیانات سب سے زیادہ مقبول ہیں، وہی سب سے زیادہ غیر معتبر اور ناقابل تسلیم بھی ہیں۔ یہ حال ہر علم و فن کا ہے۔ تاریخ میں وہی کتابیں اور انھیں کتابوں کی حکایتیں مشہور و

---

[1] ہم دونوں فریقوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی۔ اگر تم علم و بصیرت رکھتے ہو؟ (انعام ۸۱)

مقبول ہیں، جن کے بعد ہمارے یہاں خرافات و اکاذیب کا کوئی درجہ نہیں۔ سیر و فضائل میں بھی انھیں کتابوں کو قبول عام حاصل ہے، جن کے مصنف محدثین کی جگہ قصاص و واعظین تھے۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ قدما کی کتابوں پر نظر نہیں اور ہر علم و فن میں تمام تر دار و مدار متاخرین پر ہے۔ یہ لوگ محض حاطب اللیل تھے اور چند کتابوں سے رطب و یابس روایات کو کسی ترتیب تازہ کے ساتھ جمع کر دینا ہی ان کی قوت تصنیف کا سدرۃ المنتہیٰ تھا۔

میں نے "قصاص و واعظین" کا لفظ کہا، یعنی مذہبی قصص و حکایات سے گرمی محفل کا کام لینے والے واعظ۔ فی الحقیقت یہ طبقہ ہمارے یہاں ابتدا سے سرچشمۂ موضوعات و مبدءِ جمیع اقسام افترا و مکذوبات و ینبوع خرافات و حکایات رہا ہے۔ یہ لوگ اپنے وعظ و بیانات کو انظارِ عوام میں دلفریب و پرکشش بنانے کے لیے مجبور تھے کہ قصص و حکایات کی تلاش و جستجو میں رہیں اور اگر میسر نہ آئیں تو خود وضع کریں۔ یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ[1] پھر یہ لوگ اسی طرح کی تمام روایتوں کو شاعرانہ اغراق و تغلیب اور داستان طرازانہ اضافہ و تحشیہ کے ساتھ اپنی مجلسوں میں بیان کرتے تھے اور رفتہ رفتہ مرض متعدی ہو جاتا تھا۔

علی الخصوص متاخرین ایران میں بعض لوگوں نے وعظ گوئی کو ایک مستقل فن بنا دیا اور چونکہ قابل اور اہل قلم بھی تھے، اس لیے اپنی مجالس کو کتب سیر و قصص کی صورت میں مدون بھی کر دیا۔ اضلوا فاضلوا، فویل لھم و لا تباعھم[2]

مثلاً ملا حسین واعظ کاشفی اور ملا معین الدین ہروی انھیں لوگوں میں سے تھے۔ علی الخصوص آخر الذکر شخص جو فی الحقیقت انشا پردازی، حکایت طرازی، اقتباس روایات ضعیفہ و موضوعہ، تاویلات رکیکۂ قرآن و سنت اور عبور و رسوخ اسرائیلیات و روایات یہود میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔

مولود کی اردو کتابوں کے مآخذ

شاید بہت سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ آج اردو زبان میں جس قدر مولود لکھے گئے ہیں اور رائج ہیں وہ سب کے سب بے واسطہ یا بالواسطہ اسی ملا معین ہروی کی کتابوں "معارج النبوۃ" تفسیر سورۂ یوسف موسوم بہ "نقرہ کار" قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام موسوم بہ "اعجاز موسوی" وغیرہا سے ماخوذ ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ان کتابوں میں بعض حصے نہایت دلچسپ اور قابل دید ہیں مثلاً وہ صوفیانہ و عارفانہ لطائف و نکات آیات و احادیث، جو اقوال و مرویات صوفیہ سے لیے گئے ہیں یا خود اس نے پیدا کیے ہیں تاہم ان لطائف کو کیا کیجیے کہ اصل موضوع ہی سرتاسر ینبوع خرافات ہے۔

---

[1] اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ (بقرہ: ۷۹) [2] وہ گمراہ ہوئے پس وہ گمراہ ہوئے افسوس ان پر اور ان کے پیروؤں پر۔

یہ لوگ ان میں سے اکثر چیزوں کے خود موجد نہ تھے، بلکہ اپنی جماعت کے پیشرو افراد کے متبع تھے، لیکن فارسی میں ترجمہ کر کے اور کتب مجالس و وعظ شائع کر کے ان لوگوں نے تمام موضوعات و خرافات کو ایران و ہند میں پھیلا دیا، چونکہ عوام بالطبع اس غذا کے خواہاں رہتے ہیں، بغیر کسی دقت کے انھیں قبول عام حاصل بھی ہو گیا والقصہ بطولہا۔

سرچشمہ اوّل

آپ نے جن روایات کی نسبت استفسار کیا ہے۔ آپ کو سن کر تعجب ہو گا کہ ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں، جو اصول فن حدیث کی بنا پر صحیح تسلیم کیا جا سکے اور جس کو کتب معتبرہ محدثین میں روایت کیا گیا ہو صحاح ان قصص سے خالی ہیں۔ عام مسانید و معاجم اور مصنفات مشہورہ میں بھی کوئی لائق احتجاج ثبوت نہیں ملتا۔ حافظ سیوطی نے "جمع الجوامع" میں جمع احادیث کا پورا التزام کیا ہے، لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ان روایات کا اس میں بھی کہیں پتا نہیں۔ "کنز العمال" میں متعدد ابواب تھے، جہاں یہ روایات آ سکتی تھیں مثلاً معجزات من قسم الاقوال کے باب اعلام و دلائل نبوت میں، لیکن ایک اثر بھی وہاں درج نہیں کیا گیا۔ قسم الافعال میں ولادت کا مستقل باب موجود ہے مگر وہ نہایت مختصر ہے اور صرف چند آثار، تاریخ و ایام ولادت کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان واقعات کا کہیں ذکر نہیں معجزات ولادت میں صرف دو چار روایتیں آنحضرت کے مختون پیدا ہونے کی نسبت البتہ درج کی ہیں، لیکن وہ تمام تر ابن عساکر کی ہیں، جن کی نسبت علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں؛ "وفیھا احادیث کثیرۃ ضعیفۃ موضوعۃ وھینۃ" پھر ان سب کے راوی اول حضرت ابن عباس ہیں اور اس لیے تمام روایات ولادت کی طرح یہ روایت بھی منقطع ہے، پس قابل احتجاج نہیں۔ "کنز العمال" کے باب قسم الافعال میں دلائل و اعلام نبوت کے عنوان کے نیچے دو تین طول طویل روایتیں ابن عساکر وغیرہ سے لے کر درج کی ہیں جن میں نہایت بے سر و پا قصے بیان کیے ہیں اور یقیناً یکسر موضوع ہیں۔ تاہم ان میں بھی ان واقعات ولادت کا کہیں پتا نہیں۔

روایات حافظ ابو نعیم

پس دراصل ان قصص کا سرچشمہ وحید اور مبدأ اول وہ تین طول طویل حدیثیں ہیں جن کو ابو نعیم صاحب دلائل نے عمرو بن قتیبہ، ابن عباسؓ اور خود حضرت عباسؓ کی نسبت سے روایت کیا ہے اور یہی روایات ہیں کہ آگے چل قصاص مجلس آرا و اعظوں نے اپنی گرمی مجلس کے لیے ان کا استقبال کیا پھر تمام قصص و حکایات، کتب سیر متاخرین میں داخل ہو گئیں۔

شیخ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ کی پہلی جلد میں ان تینوں روایتوں کو نقل کیا۔ ان میں سے ہر روایت ایک ایک صفحے کی ہے۔[1]

---

[1] مولانا نے ان کے بعض ٹکڑے نقل کیے ہیں، ہم نے پورے عربی متن حذف کر دیے ہیں اس سے اصل مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حافظ ابونعیم کی حیثیت

لیکن یہ تینوں روایتیں قطعاً بے اصل ہیں۔ وجوہ درج ذیل ہیں:

۱۔ حافظ ابونعیم پانچویں صدی کے حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ ذہبی نے انھیں تیرھویں طبقے کے ذیل میں شمار کیا ہے اور "تذکرہ"[۱] میں مفصل ترجمہ لکھا ہے۔ ان کی جلالت مرتبت سے انکار نہیں، لیکن کیا کیجیے کہ یہ ان لوگوں میں ہیں جن کی نسبت مسلّم ہے کہ فضائل معجزات میں رطب و یابس اور ضعیف و موضوع ہر طرح کی حدیثیں درج کر دیا کرتے تھے یا تو یہ حسنِ اعتقاد کی وجہ سے تھا یا پھر اعتماد اً علی الناس کہ لوگ خود درجۂ صحت و ضعف کو تحقیق کر لیں گے۔ یہاں تک کہ علامہ ابن تیمیہ کو ابوالشیخ اصفہانی کے ذکر میں لکھنا پڑا:

وفیها احادیث کثیرة قویة صحیحة وحسنة	(اور اس میں بہت سی حدیثیں ہیں جو قوی و حسن ہیں اور بہت سی
واحادیث کثیرة ضعیفة وموضوعة	ضعیف و موضوع ہیں...... یہی حال ان احادیث کا ہے
وکذلك ما یرویه ابونعیم فی فضائل الخلفا	جو ابونعیم نے خلفا کے فضائل میں بصورت ایک مستقل
فی کتاب مفرد فی اول حلیة الاولیاء (کتاب التوسل[۲])	کتاب کے روایت کی ہیں حلیۃ الاولیا کی ابتدا میں)

علامہ ابن تیمیہ کی شہادت پر شاید بعض پرستاران سبکی و ابن حجر کی چیں بجبیں ہوں۔ مگر یہ واضح رہے کہ علامہ موصوف کے رسوخ حدیث و حفظ و ضبط و اتقان فن کا وہ ارفع و اعلیٰ مقام ہے، جس سے ان کے سخت سے سخت مخالف کو بھی کبھی انکار کی جرأت نہ ہو سکی۔ حدیث "کنت نبیا و آدم بین الماء والطین" کو علامہ موصوف نے موضوع لکھا تھا حافظ ابوالخیر (سخاوی) ایک فتوے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اس بارے میں ابن تیمیہ کے علم واسع اور حفظ حدیث پر اعتماد کر لینا، اعتماد کے لیے کافی ہے جس کا موافق اور مخالف دونوں کو اقرار ہے"۔

سخاوی کا یہ قول زرقانی نے "مواہب" کی شرح میں نقل کیا ہے۔ سب سے زیادہ یہ کہ حافظ ذہبی کا قول اس موقع پر یاد کر لینا چاہیے، جو کہتے ہیں کہ: ما رایت اشد استحضاراً للمتون وعزوها منه وکانت السنة بین عینیه وعلی طرف لسانه بعبارة رشیقة وعین مفتوحة۔

حافظ ابونعیم کے اس تساہل، موضوعات پر سکوت اور نقل و جمع روایات میں بے احتیاطی کی شکایت صرف علامہ موصوف ہی کو نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر واضح ثبوت اس کے لیے موجود ہے۔ یہی حافظ ذہبی جنھوں نے تذکرہ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ "میزان" میں حافظ ابونعیم اور ان کے معاصر ابن مندہ کے باہمی طعن و قدح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[۱] یعنی "تذکرۃ الحفاظ" [۲] یہ رائے علامہ ابن تیمیہ نے "کتاب التوسل" میں ظاہر کی ہے لیکن یہ کتاب اس وقت میرے پاس موجود نہیں مولانا شبلی نے دیباچہ سیرت نبوی میں یہ عبارت نقل کی ہے اور صفحہ ۶۹ کا حوالہ دیا ہے (سیرۃ نبوی طبع اول میں یہ حوالہ صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶ پر موجود ہے)

لا اقبل قول کل منهما فی الآخر وهما عندی مقبولان لا اعلم ذنبا اکبر من روایتهما الموضوعات ساکتین علیها۔

میں ان دونوں میں سے کسی کے طعن کو دوسرے کے حق میں قبول نہیں کرتا۔ میرے نزدیک دونوں مقبول ہیں۔ مجھے ان دونوں کا گناہ اس سے بڑھ کر تو کوئی نہیں معلوم کہ وہ جھوٹی حدیثیں روایت کرتے ہیں اور اس کی نسبت سکوت اختیار کر لیتے ہیں۔

حافظ ذہبی کے نزدیک یہ غفلت ان کی مقبولیت میں خلل انداز نہیں لیکن افسوس کہ اسی خطرناک مقبولیت نے ان موضوعات وحکایات کو قوم میں پھیلا دیا، جن کی وجہ سے آج اسلام کو شرمندۂ اغیار اور ہدف طعنۂ مخالفین و اجانب بننا پڑتا ہے۔

سلسلہ منقطع

۲۔ اب ان روایات پر نظر ڈالیے۔ میں اس وقت یہ بحث چھیڑنا نہیں چاہتا کہ درایۃً ان کے مطالب کس درجہ قابل اعتراض و انکار ہیں۔ کیونکہ کہہ چکا ہوں، پہلی چیز نفس روایت کی صحت و عدم صحت ہے۔ ان روایات میں پہلی عمرو ابن قتیبہ سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا "وکان من اوعیۃ العلم" انھوں نے اپنے والد کی فضیلت علمی تو بیان کر دی لیکن کچھ نہیں معلوم کہ انھوں نے یہ واقعہ کیونکر معلوم کیا اور کس اعتماد پر بیان کر رہے ہیں؟ ذکر ولادت کی اکثر روایتیں منقطع ہیں (یعنی واقعہ تک راوی کا سلسلہ نہیں پہنچتا) لیکن یہ روایت منقطع روایات میں بھی بدترین منقطع ہے۔ دوسری روایت کے راوی اول حضرت ابن عباسؓ ہیں لیکن ابن عباسؓ واقعہ ولادت نبوی کے پچاس برس بعد پیدا ہوئے ہیں۔ نہیں معلوم انھوں نے کس سے سنا۔ پھر باقی روایت کا پتا نہیں۔

تیسری روایت کا معاملہ

تیسری روایت میں خود تصریح کر دی ہے کہ "بسند ضعیف"، لیکن راوی کے اس انکسار طبع پر ہم قانع نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ روایت ضعیف ہی نہیں بلکہ سر سے موضوع ہے۔ روایت خود حضرت عباسؓ سے ہے، جو بطور جملہ معترضہ کے آغاز حدیث میں کہتے ہیں "ولد اخی عبداللّٰہ وھو اصغرنا" (میرا بھائی عبداللہ پیدا ہوا اور وہ ہم تمام بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا) صرف یہی جملہ معترضہ اس روایت کے موضوع ہونے کے لیے ایک محکم اندرونی شہادت ہے، کیونکہ بالاتفاق یہ مسلّم ہے کہ حضرت عبداللہؓ حضرت عباسؓ سے بڑے تھے نہ کہ چھوٹے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" میں لکھتے ہیں:

عباس ابن عبد المطلب عم رسول اللّٰہ یکنی ابا الفضل بابنہ الفضل وکان العباس اسن من

عباسؓ بن عبدالمطلب آنحضرت کے چچا اپنے لڑکے فضل کی نسبت سے ابو الفضل کنیت رکھتے تھے ان کی عمر

رسول اللہ بسنتین وقبل بثلاث سنین۔ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف دو برس زاید تھی اور بعض نے کہا
(کتاب مذکور جلد ۲ صفحہ ۴۹) | کہ تین برس۔

جب خود حضرت عباسؓ کی عمر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صرف دو تین برس زیادہ تھی تو وہ آپ کے والد سے کیونکر بڑے ہو سکتے تھے؛ معلوم ہوتا ہے کہ جس نادان نے یہ قصہ گھڑ کر حضرت عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے یا تو اس غریب کو اس کی خبر نہ تھی یا جاتا تھا اور روایت کو معتبر بنانے کے لیے قصداً یہ ٹکڑا داخل کر دیا تاکہ ضمناً ایک دوسرا مغالطہ دے کر روایت کو انقطاع سے محفوظ ثابت کر دے۔ فکفی بذالک کذبہ وبھتانہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعمہ، ومن کذب علیہ متعمداً فلیتبوٗ مقعدہ فی النار۔

حافظ سیوطی کی شہادت

۳۔ ایک سب سے بڑی دلیل واضع ان روایات واہیہ کے ناقابل اعتبار ہونے کی یہ ہے کہ خود حافظ ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ان روایات کو نقل نہیں کیا[1] حالانکہ اس میں ہر طرح کی ضعیف و منکر روایتیں بلا تامل جمع کر دی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خود حافظ موصوف کے نزدیک یہ روایات اس درجہ واضح طور پر موضوع تھیں کہ وہ ضعیف و منکر روایتوں میں بھی انھیں نہ لے سکے اور باوجود ان کے مذاق میں سب سے بڑے ذخیرۂ دلائل و اعلام نبوت ہونے کے مجبوراً چھوڑ دینا پڑا۔

۴۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر ایک برہان قاطع اور شہادت واضح جو فی الحقیقت ان روایات کے موضوع ہونے کا آخری فیصلہ کر دیتی ہے، یہ ہے کہ خود حافظ سیوطی خصائص کبریٰ میں تیسری روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں؛

ھذا الاثر والاثران قبلہ فیھا نکارۃ شدیدۃ ولم اورد فی کتابی ھذا اشد نکارۃ منھا ولم تکن نفسی تطیب بایرادھا (فتامل) لکنی تبعت الحافظ ابانعیم فی ذلک۔	یہ روایت اور اس سے قبل کی جو دو روایتیں ہیں تو ان میں نہایت سخت و شدید انکار و قباحت ہے اور باوجود ان کے اشد شدید انکار کے میں نے اس کتاب میں جو درج کیا تو میرا دل اس اثر کو پسند نہیں کرتا تھا مگر میں نے
(خصائص کبریٰ جلد ۱۔ صفحہ ۴۹)	محض حافظ ابونعیم کی پیروی کے خیال سے ایسا کر دیا۔

حافظ سیوطی ہر طرح کی رطب و یابس روایتوں کے جمع کرنے بلکہ ان سے استدلال کر دینے میں جس درجہ بے احتیاط اور تساہل پیشہ ہیں وہ ارباب نظر سے مخفی نہیں، لیکن ان روایات کی لغویت کا یہ حال تھا کہ وہ بھی باین ہمہ تساہل چپ نہ رہ سکے اور بے اختیار ہو کر انکار شدید کے ساتھ اس کی معذرت کرنی پڑی کہ محض حافظ ابونعیم کے اتباع

---

[1] دلائل النبوۃ دائرۃ المعارف حیدرآباد میں چھپ گئی ہے۔ اس کے پہلے حصے کے صفحہ ۴۲ (میں تزویج آمنہ کا پورا باب دیکھا جائے۔ بہت سی روایات ضعیفہ و واہیہ درج ہیں مگر ان روایات کا پتا نہیں۔

کے خیال سے درج کر دیتا ہوں۔

وہ لکھتے ہیں کہ میرا جی نہیں چاہتا کہ ان روایتوں کو درج کروں۔ غور کیجیے کہ جن روایتوں کے درج کرنے سے حافظ سیوطی کی طبیعت بھی اعراض کرے وہ کس درجہ واہی و مزخرف ہوں گی؟

آج کل مناقب و فضائل اور واقعات و سیر میں مدعیان فن کی انتہائی سرحد حافظ سیوطی و اقرانہ ہیں، لیکن یہ کیسا دلچسپ اقرار خود حافظ موصوف کا ہے کہ میں ہر طرح واہی و منکر روایتیں لوگوں کے اتباع کے خیال سے درج کر دیتا ہوں۔ فتاملو او تفکروا ولا تغتروا باصحاب العمائم العجرا ، اذ قدروها واجازوها ، ان هم الا اصحاب اوهام و شقاشق یتقربون بها من العوام۔

ایوان کسریٰ وغیرہ

آپ کے اکثر سوالات کا جواب ان روایات کی بحث میں آ گیا۔ نیز بعض غیر مسئول امور کا بھی۔ لیکن ابھی ایک چوتھی روایت باقی ہے جس میں آتشکدۂ ایران کے بجھ جانے، قصر نوشیرواں کے کنگوروں کے گرنے، کاہنوں کے پر اسرار و عجائب اظہارات اور ایک خطبہ کہانت کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ روایت بھی پورے دو صفحے کی ہے۔ سیوطی نے "خصائص" میں اور حافظ ابو نعیم نے "دلائل" میں اسے درج کیا ہے۔ اگر نقل کروں تو پورے دو کالم مطلوب ہوں (یعنی "الہلال" کے) خلاصہ مضمون یہ ہے کہ آنحضرت کی ولادت کی رات کسریٰ کے ایوان میں زلزلہ محسوس ہوا اس کے چودہ کنگورے گر گئے۔ ایوان کی وہ آگ جو ہزار سال سے نہیں بجھی تھی، بجھ گئی۔ بحیرۂ ساوہ خشک ہو گیا۔ نوشیرواں نے وزرا اور موبدوں کو جمع کر کے اس کی وجہ پوچھی۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے بھی خواب دیکھا ہے، عرب میں کوئی انقلاب ہونے والا ہے۔ اس پر نوشیرواں نے نعمان بن منذر کے نام خط لکھا کہ عرب سے ایک ایسا شخص بھیج دو جو میرے ہر سوال کا جواب دے۔ نعمان نے عبدالمسیح نامی ایک کاہن کو بھیجا لیکن اس نے اپنے سے زیادہ عالم سطیح کاہن شام کو تلایا اور نوشیرواں کے سوالات لے کر وہ اس کے پاس گیا۔ سطیح مرض الموت میں گرفتار تھا۔ عبدالمسیح نے کہانت آمیز اشعار پڑھے اور جب اس نے سر اٹھایا تو کہا: تهوی الی سطیح وقد اوفی علی الضریح ، لبعثك ملك بنی ساسان ، لارتجاس الایوان وخمود النیران ورؤیا الموبذان ، رای ابلا صعابا تقود خیلاً عرابا وغیرہ وغیرہ۔

سطیح مر گیا اور جواب کی مہلت نہ پائی[1] لیکن یہ روایت بھی قطعاً ناقابل اعتنا ہے۔ اس کا راوی اول مخزوم ابن ہانی ہے جو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ خود حافظ سیوطی یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قال ابن عساکر: حدیث غریب لا نعرفه الا من ... ابن عساکر نے اس کی نسبت کہا ہے کہ حدیث غریب ہے

---

[1] پوری روایت کے لیے "دلائل النبوۃ" جلد اول صفحہ ۴۱ اور "خصائص" جلد اول صفحہ ۴۹ کو دیکھیے۔

حدیث ابن مخزوم عن ابیہ تفرد بہ ابو ایوب　　　جس کو سوائے ابن مخزوم کے اور کسی نے روایات نہیں کیا۔

البجلی - ۳ جلد اول ص ۱۵۱)

اس روایت کے واقعات بہ تغیر الفاظ و حذف و اضافہ بعض امور فضایل و حکایات کی کتابوں میں بہ کثرت ملتے ہیں، لیکن ان سب کی بنیاد یہی روایت ہے۔ والعبرۃ بما یروی المحدثون، لا بما یبندی سبہ القصاصون الکاذبون[1]

مرسلہ ———— جاوید اختر　شاداب کالونی، ملتان

قمر الحسنین

سبز ڈاکو

میں اپنے گاؤں نہ جا سکوں گا
میں اپنی منزل نہ پا سکوں گا
پیا کو اپنے نہ مل سکوں گا
کہ میری منزل کی گہری راہوں میں
باجرے کے دراز قامت گھنے گھنے سے یہ کھیت بھی ہیں
حسین بھی ہیں، مہیب بھی ہیں
انہی کے اندر برنگِ اخضر
دراز قامت ڈکیت بھی ہیں۔

۱۰ ستمبر ۱۹۹۰ء

[1] اعتبار کے لائق محدثین کرام کی روایات ہیں نہ کہ جھوٹے داستان طرازوں کی بے سروپا گڑیاں۔

عاصی کرنالی

خاتم الانبیاءؐ کے حضور

اے مصدرِ تخلیقِ جہاں ! مطلعِ امکاں
اے مقطعِ پیغامبراں ، ختمِ رسولاں

ہر حسنِ عمل تیرا ہدایت ہی ہدایت
ہر جلوۂ سیرت ترا قرآں ہی قرآں

خالق ترا مدّاح ، خلائق تری حمّاد
انساں ترے مدّاح ، ملک تیرے ثناخواں

افلاک ترے چتر ، مہر و ماہ ترے تاج
آفاق ترا تخت ، زمانہ ترا ایواں

قرآں ترا قانون ، شریعت ترا پرچم
توحید تری مہر ، عدالت ترا فرماں

ہر شخص تری ذاتِ گرامی پہ فدا ہے
ہر فرد ترے نام کی تقدیس پہ قرباں

پرچم تری عظمت کا سرافراز رکھا ہے
اس دیس کے افراد نے ، اے شاہِ دل و جاں

اے محسنِ کونین ! ترے کام تو آئے
ہم ایسے گنہگار و سیہ کار و پشیماں

لیکن ہمیں توفیقِ عمل تو نے عطا کی
تجھ سے ہوا اس راہ کا ہر مرحلہ آساں

مسلم نہیں جو ختمِ نبوت کا ہے منکر
یہ شق تو اب آئینِ وطن کی ہے رگِ جاں

اے شاہِ عرب ماہِ عجم ، جاہِ دو عالم
اے شانِ خدا جانِ بشر رُوحِ مسلماں

ہم کون ؟ کہ ہوں حافظِ ناموسِ رسالت
ہم کون ؟ کہ ہوں ختمِ نبوّت کے نگہباں

ہم کیا ؟ کہ ترے نور کو صرصر سے بچائیں
ہم کیا ؟ کہ رہے ہم سے تری شمع فروزاں

شمشیر کا محتاج نہیں تاجِ نبوت
فانوس کا محتاج نہیں مہرِ درخشاں

ہم خود ترے محتاج ہیں اے رحمتِ کونین
ہے تیری نظر حافظِ ناموسِ مسلماں

سب کچھ ترا صدقہ ہے یہ قرآں یہ احادیث
سب کچھ تری بخشش ہے یہ اسلام یہ ایماں

اک فخر لئے پھرتے ہیں اے فخرِ دو عالم
اک ناز لیے پھرتے ہیں اے نازشِ دوراں

یہ فخر کہ سینہ تری الفت سے ہے شاداب
یہ ناز کہ دل میں ہے ترا عشق گل افشاں

یہ سب ہے ترے عشق کا اعجاز کہ مومن
تھم جائے تو کہسار ، مچل جائے تو طوفاں

لہرائے تو بجلی ہے بھڑک جائے تو شعلہ
رک جائے تو بادل ہے برس جائے تو باراں

جو عشق تری ذاتِ گرامی سے ہے ہم کو
اُس عشق سے صادر ہوا اک کارِ نمایاں

یہ جذبۂ کم پایہ پسند آئے تو الطاف
یہ خدمتِ بے مایہ پذیرا ہو تو احساں

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ،

دینِ اسلام کا مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات

اس کائنات میں ہر زندہ اور متحرک شئے کا ایک خاص مزاج کچھ نمایاں خصوصیات، اور ابھرے ہوئے خط و خال ہوتے ہیں، جن سے اس کی "شخصیت" کی تشکیل اور اس کا تعین ہوتا ہے، اور وہ اس کی صفات ممیزہ قرار پاتی ہیں، اس میں افراد، جماعتیں، ملتیں اور قومیں، مذاہب اور فلسفے یکساں طور پر شریک ہیں، وہ سب اپنی کچھ امتیازی خصوصیات اور نمایاں علامات رکھتے ہیں، اس لئے یہ دریافت اور تحقیق حق بجانب ہے، کہ اس دین (اسلام) کی صفات ممیزہ اور اس کی شخصیت کے صحیح خط و خال کیا ہیں؟ دین کی تفصیلات، تعلیمات، ہدایات اور معین قوانین و ضوابط کے مطالعہ اور جستجو سے پہلے ہمیں اس حقیقت سے باخبر ہو جانا چاہیئے، کیونکہ دین سے مکمل طور پر فائدہ اٹھانے، اور اس کے رنگ میں رنگ جانے کے لئے یہی فطری طریقہ، اور اس کے قفل کی شاہ کلید ہے۔

سب سے پہلے ہمیں اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ یہ دین ہم تک حکیموں اور دانشوروں، ماہرینِ قانون علمائے اخلاق و نفسیات، کشورکشا اور قانون ساز، بانیانِ سلطنت، خیالی گھوڑے دوڑانے والے فلاسفر، اور طالع آزما سیاسی رہنماؤں، اور ملکوں اور قوموں کے قائدین کے ذریعہ نہیں پہنچا۔ یہ دین ہم تک ان انبیائے کرام کے ذریعہ پہنچا ہے، جن کے پاس خدائے تعالیٰ کی وحی آتی تھی، اور جن کا سلسلہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ختم ہو چکا ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے دن یہ آیت نازل ہوئی تھی:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (مائدہ - ۳)	آج ہم نے تمہارے لئے دین کامل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اور جن کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے:۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ	اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے

هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۝ — (النجم - ۳ - ۴)

- ہیں یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے، جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

اس دین کا سب سے پہلا امتیاز اور نمایاں شعار "عقیدہ" پر زور اور اصرار، اور سب سے پہلے اس کا مسئلہ حل کر لینے کی تاکید ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاءِ کرام ایک معیّن عقیدے کی (جو ان کو وحی کے ذریعہ ملا تھا) دعوت دیتے اور اس کا مطالبہ کرتے رہے، اور اس کے مقابلہ میں کسی مفاہمت، یا دست برداری پر تیار نہ ہوئے، ان کے نزدیک بہتر سے بہتر اخلاقی زندگی اور اعلیٰ سے اعلیٰ انسانی کردار کا حامل، نیکی و صلاح، سلامت روی اور معقولیت کا زندہ پیکر، اور مثالی مجسّمہ خواہ اس سے کسی بہتر حکومت کا قیام، کسی صالح معاشرہ کا وجود، اور کسی مفید انقلاب کا ظہور ہوا ہو، اس وقت تک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ جب تک وہ اس عقیدہ کا ماننے والا نہ ہو، جس کو وہ لے کر آئے، اور جس کی دعوت ان کی زندگی کا نصب العین ہے، اور جب تک اس کی یہ ساری کوششیں اور کاوشیں صرف اس عقیدہ کی بنیاد پر نہ ہوں یہی وہ حدِ فاصل اور واضح و روشن خط ہے، جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت اور قومی رہنماؤں، سیاسی لیڈروں انقلابیوں، اور ہر اس شخص کے درمیان کھینچ دیا گیا ہے، جس کا سرچشمۂ فکر و نظر انبیائے کرام کی تعلیمات اور سیرتوں کے بجائے کوئی اور ہو۔[1]

---

[1] موجودہ دور کے بگڑے ہوئے حالات سے دل برداشتہ بہت سے لوگوں کے اندر یہ مزاج پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ہر اس شخص کے جو انقلاب کا نعرہ لگائے یا کسی بڑی طاقت کو چیلنج کرے، عقیدہ کے ہر بگاڑ، اور افکار و نظریات کی ہر کجی اور انحراف کو معاف کر دیتے ہیں، اور عقیدہ کے مسئلہ سے بالکل صرف نظر کر لیتے ہیں، بلکہ الٹے ان لوگوں کو ہدف ملامت بنا لیتے ہیں، اور کبھی باطل طاقتوں سے ساز باز کر لینے کا الزام بھی لگاتے ہیں، جو اس موقع پر... عقیدہ کی بحث کو اٹھائیں، اور اس شخص کے عقائد کے بارے میں کوئی سوال کریں، یہ طرزِ فکر اور طرزِ عمل صحیح دینی مزاج اور نبوی طریق سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

نرخنامہ اشتہارات

نقیب ختم نبوت

ٹائیٹل کا آخری صفحہ سالم	۔/۱۰۰۰ روپے
ٹائیٹل دوسرا اور تیسرا صفحہ	= ۔/۸۰۰ روپے
عام صفحہ (سالم)	= ۔/۳۰۰ روپے
" " (۱/۲)	= ۔/۱۵۰ روپے
" " (۱/۴)	= ۔/۷۵ روپے

مستقل معاونین کے لئے خصوصی رعایت ہوگی

وعدہ

ہم دیکھیں گے، سب دیکھیں گے
اور اپنے گھروں کی دیواروں کی اوٹ میں رہ کر دیکھیں گے
وہ ایک سنہری خطـــرہ ہے
سب دیکھیں گے اس محبوبہ کی دہشتناک اداؤں کو
اس غارت گر کے چنگیزی رخساروں کو
وہ قہر کی گوری برتی ہے جو
ہر شخص کی دید اُچک لے گی۔
وہ رعد ہے جو پتھرا دے گی
پل بھر میں سماعت لوگوں کی
جمہور کی خوشیوں کی بیری
وہ خوش حالی کی دشمنِ جاں
شہروں کو آگ لگائے گی
اور روما کے نیرو کی طرح شہنائی پہ
سکھ چین کے نغمے گائے گی لہرائے گی
وہ کرشن کنہیا کی گوپی
بھارت کی راہ سے آئے گی
وہ دیوی ہے وہ بربادی کی دیوی ہے۔
ہر گھر کا اثاثہ پھونکے گی
رہزن ہے لوٹ مچائے گی
ضدی ہے اٹل ہے آئے گی
وہ سب کی اجل ہے آئے گی

وہ آئے گی پھر آئے گی
وہ سندھ کے زار کی بیٹی ہے

جواد کریم

وہ اس آمر کی بیٹی ہے
جو عصرِ رواں کے فرعونوں کے ایوانوں میں زندہ ہے،
جو آج کی عریاں رقص گھروں میں، میخانوں میں زندہ ہے
جو بے دردوں، دہشت گردوں کے ایمانوں میں زندہ ہے۔
امید ہے وہ ان لوگوں کی
آئے گی پھر بھی آئے گی۔

وہ کذب دریا کا طوفاں ہے
طوفاں کو تم کیا دو گے؟
وہ دشتِ بلا کی آندھی ہے
آندھی کو قید کرو گے کیا
وہ آئے گی، وہ اپنی دھن کی پکی ہے
راجیو سے مل کر بچا کھچا یہ ملک نہ توڑے تو کہنا
مسجد کا ربط و ضبط وفا مندر سے نہ جوڑے تو کہنا
وہ سنتِ حق کا کوئی نشاں بھولے سے بھی چھوڑے تو کہنا
دیکھیں گے ہم سب دیکھیں گے
اور اپنے گھروں کی دیواروں کی اوٹ میں رہ کر دیکھیں گے
وہ ایک سنہری خطرہ ہے۔
وہ بربادی کی دیوی ہے
ہر آنگن کا سکھ چھینے گی
رہزن ہے لوٹ مچائے گی
وہ راج پاٹ کی بھوکی ہے
ضدی ہے اٹل ہے آئے گی
وہ سب کی اجل ہے آئے گی،

حافظ مسعود احمد
امداد العلوم ملتان

کیا جمہوریت عین اسلام ہے؟
مسلمان قوم سے ایک سوال

جاہلیتِ جدیدہ کے پرفتن و پرآشوب دور میں فرنگی تہذیب و تمدن، مغربی خرد و دانش اور یورپی ثقافت و سیاست نے جن سیاہ فتنوں کو جنم دیا ان میں "جمہوریت" عظیم تر فتنہ ہے۔ جو صحیح معنوں میں "فتنۂ عمیا" (اندھا فتنہ ہے) سیاسی اعتبار سے اس قدر پرفریب نظریہ قرطاسِ ارض پر اور کوئی نہیں جو ظاہری خدوخال کے لحاظ سے "جنت" ہے اور باطنی و معنوی اعتبار سے دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی "جہنم" نہیں۔ لیکن حیرت ہے ان کی عقلوں پر جو شب و روز جمہوریت کے راگ الاپ رہے ہیں۔ اور اس سراپا غیر فطری، خلافِ اسلام، سراپا شرک و شیطنت، مجسم کفر و ضلالت اور عین دجل و فریب "نظریۂ جمہوریت" کو سادہ لوح مسلمانوں میں راسخ کر کے یہود و نصاریٰ کی نمک خواری کی علت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ اس پرتلبیس نظریہ جمہوریت کے علمبرداروں اور ان "جمہوریت زادوں" کو مجسم فراڈ، عین منافقت اور "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ" کا مصداق قرار دیا جائے تو مناسب بلکہ انسب ہو گا۔

جمہوریت کا پس منظر

اس حقیقت سے معرفت انتہائی تعجب خیز ہے کہ جمہوریت DEMOCRACY ایک ایسی اصطلاح ہے جو صدیوں پیشتر یونان کے مشرکانہ نظام کی "کوکھ" سے پیدا کی گئی۔ گویا یونان کا مبنی بر شرک نظام ہی جمہوریت کا نقطۂ آغاز ہے اور جمہوریت شرک (ظلم عظیم) کی فرع ہے۔ ڈیموکریسی کا ارتقاء بھی شرک کے تصور سے ہوا۔ اس دور کفر و شرک میں جس پیچیدہ مسئلہ نے جنم لیا وہ یہ تھا کہ اہلِ یونان کو شاہی جبر و استبداد سے کس طریقے سے نجات دلائی جائے۔ اربابِ فکر و نظر اور عقلاء و حکماء یونان نے نام نہاد مذہبی حوالے سے اس فلسفہ و فکر کو عوام الناس میں عام کرنے کی سعی نامشکور کی کہ موت و حیات، صحت و مرض، خوشحالی و قحط امارت و غربت، نور و ظلمت اور شب و روز کے "خدا" جدا جدا ہیں۔ ہر ایک اپنے دائرہ اختیار میں خود مختار اور دوسرے کے دائرہ عمل میں بے دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص کے پاس دولت و سرمایہ ہے صحت و شفاء نہیں۔ ساتھ ہی

بادشاہت ہے اور ساتھ ہی مرض، ایک ہی گھر سے جنازہ بھی اٹھ رہا ہے اور حکومت و دولت بھی موجود ہے۔ غرضیکہ ہر خدا بلا شرکت غیرے اپنا کامل اختیار استعمال کر رہا ہے۔ نیز ایک خدا ہونے کی صورت میں کیفیاتِ متضادہ کی سحر انگیزی نہ ہوتی۔ جب عوام کالانعام اس مبنی بر کذب و ضلالت "منطق" کے قائل ہو گئے تو ان نام نہاد اربابِ فکر و فلسفہ نے یہ فلسفہ بگھارنے کی سعی مذموم کی کہ جب "خدا" تمام اختیارات اپنے قبضۂ قدرت میں نہیں لیتا تو محدود انسانی آبادی پر حاکم یونانی بادشاہ کیونکر تمام اختیارات کا مصدر و منبع ہو سکتا ہے؟ اس طرح عوام کے ذریعہ بادشاہ پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اپنے وسیع اختیارات مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے دوسروں کے حوالے کر دے۔ یہ تھا جمہوریت کا مشرکانہ فلسفیانہ پس منظر!

اگر کہا جائے کہ اسلام اور جمہوریت میں "قدرِ مشترک" موجود ہے لہٰذا اسلام اور جمہوریت میں فرق نہیں۔ مثلاً "اسلام بھی عوام کے لئے ہے اور جمہوریت بھی عوام کے لئے"! ہم کہتے ہیں کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی حماقت نہیں کیونکہ دنیا کے ہر باطل نظام میں ایک آدھ اسلامی وصف اور قدر ضرور مل جائے گی۔ لیکن اس قسم کی "قدرِ مشترک" کی وجہ سے اسلامی جمہوریت کا دعویٰ کرنا اگر صحیح ہے تو پھر العیاذ باللّٰہ اسلامی سوشلزم، اسلامی کیپٹل ازم، اور اسلامی مارشل لا، وغیرہ کی اصطلاحیں گھڑ لینا چنداں دشوار نہیں۔ جس طرح "اسلامی اشتراکیت" کہنا حرام ہے اسی طرح "اسلامی جمہوریت" کہنا بھی عقل و نقل سے فروتر ہے۔ "اسلام" کا عنوان بذاتِ خود مستقل حقیقت ہے۔ اسی لئے "اسلام" کو "دین" کہا گیا ہے۔ فرمایا ربّ العٰلمین نے:۔

"وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ" یعنی جس نے اسلام کے ماسوا دین (نظامِ حیات) طلب کیا وہ ہرگز مقبول نہیں۔ لہٰذا یہ کہنا "اسلام ہمارا مذہب ہے۔ سوشلزم ہماری معیشت ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے"۔ یہ سب کافرانہ دھوکہ ہے۔ ایسے لوگ یا تو دوبارہ کلمہ پڑھ کر تجدیدِ ایمان کر لیں، یا پھر اپنے آپ کو مسلمان نہ کہلوائیں۔

جمہوریت کیا ہے؟

جمہوریت ایک نظامِ سیاست و سیادت سے عبارت ہے۔ "فیروز اللغات" میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے "وہ نظامِ حکومت جس میں عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کی اکثریت رکھنے والی سیاسی جماعت حکومت چلاتی ہے اور عوام کے سامنے جواب دِہ ہوتی ہے"۔ غرض اکثریت کا نام ہی جمہوریت ہے۔ نفسِ جمہوریت بغیر قیود و شرائط کے کیا حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن کریم کی نظر میں ملاحظہ فرمائیے تاکہ حقیقتِ حال واضح ہو اور دوسروں کو اُلّو بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنے والوں کے بارے میں

ہر خاص و عام کو علم ہو قرآن کریم نے بہت دلنشیں انداز میں اس کو افشا کیا ہے۔ کثرتِ آیات بینات کی بنا پر چند آیات کا صرف ترجمہ بطورِ نمونہ رقم کیا جاتا ہے :۔

(۱) ؛ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والوں کے بارے میں جمہوریت مشرکوں کی ہے یعنی ایمان نہیں لاتے (یوسف)

(۲) ؛ اگرچہ آپ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ایمان لانے پر) حرص کریں لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) لوگوں کی اکثریت آپ پر ایمان لانے والی نہیں۔ (یوسف - ۱۰۳) (۳) جمہور عوام نے (ہر شئی کا) انکار کیا مگر کفر و ناشاکری (کا انکار نہیں کیا) یعنی جمہوریت ناقدروں اور کافروں کی رہی ہے۔ (فرقان - ۵۰)۔

(۴) کیا آپ (محمد عربیؐ) کا حسنِ ظن ہے کہ کفار کی جمہوریت ذی سمع و ذی عقل ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ یہ (جمہور الناس) چوپاؤں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر (بدتر) (فرقان - ۴۴) (۵) یقیناً لوگوں کی جمہوریت اپنے پروردگار سے (حساب کتاب جزا سزا کے سلسلے میں) ملاقات کی منکر ہے (الروم ۸)

(۶) ابلیس لعین اپنے جذبۂ انتقام کو سرد کرنے کے لئے حق تعالیٰ سے مکابرہ کرتے ہوئے کہتا ہے (اسے پروردگار) آپ لوگوں کی جمہوریت کو قدر دان (مسلمان) نہیں پائیں گے۔ (اعراف - ۱۷)۔

(۷) اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کی آل و امت کو شکر کا حکم فرمانے کے بعد فرماتے ہیں "میرے شکر گذار بندے کم ہیں" دوسرے لفظوں میں" جمہوریت ناشکروں (کافروں مشرکوں) کی ہے (سبا)

(۸) اور ہم نے حضرت نوح و حضرت ابراہیم علیہما السلام کو رسول بنا کر بھیجا اور ان کی اولاد میں نبوت جاری کی اور کتاب جاری کی۔ پس ان میں راہ پانے والے کم ہیں۔ اور جمہوریت فاسقوں کی ہے ــ (الحدید) (۹) حضرت داؤد علیہ السلام نے عمومی طور پر انسانیت کے مزاج کے لحاظ سے "عموم بلویٰ" کو سامنے رکھتے ہوئے باہمی شرکاء اور ساجھیوں کا ایک دوسرے پر تعدی و ظلم کی حقیقت کو یوں بیان فرمایا " اور واقعی جمہور ساجھیوں (کا شیوہ ہے کہ) بعض بعض پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں مگر وہ حضرات جو ایمان کی دولت سے مالا مال اور اعمال صالحہ کے خوگر ہیں ــ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ تھوڑے ہیں (ص - ۲۴)

اس آیت میں جمہوریت بد دیانتوں اور ظالموں کی بیان کی اور مخلص اہل ایمان و عمل صالح والوں کے بارے میں وہ فرمایا۔ وہ تھوڑے ہیں، ہمارا مشاہدہ، عوام کا تجربہ اور فیصلہ بھی یہی ہے اور خدا تعالیٰ کی شہادت بھی یہی ہے۔ (۱۰) حضرت طالوت علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ راستے میں پڑنے والی نہر سے پانی نہ پینا مگر جو ہوا قرآن کی زبان میں سنیئے " پس ان سب نے پی لیا مگر کم لوگوں نے (نہیں پیا) (البقرہ - ۲۴۹)

یعنی اس موقع پر "جمہوریت" اور اکثریت نے خلاف ورزی کی۔ تلك عشرة كاملة۔ قرآن کریم میں موقع بہ موقع "جمہوریت" کی حقیقت کا پول کھولا گیا ہے۔ ان کی جہالت، کم عقلی، ناشکری اور کفر کا راز افشاء کیا گیا ہے۔ مثلاً

اکثرھم لا یعلمون (جمہوریت جاہلوں کی ہے) اکثرھم لا یؤمنون (جمہوریت بے ایمانوں کی ہے)

اکثرھم لا یعقلون (جمہوریت نادانوں کی ہے) اکثرھم لا یشکرون (جمہوریت ناقدروں کی ہے)

ان کے علاوہ بے شمار آیات "نفس جمہوریت" کے خلاف بیّن دلیل ہیں۔ آپ خود مطالعہ کر لیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جب بھی کسی نبی برحق نے دعوائے نبوت کیا وہ اکیلا تھا۔ بالفاظ دیگر حق کا علَم بردار ایک اور باطل کے مدعیان لاکھوں — یعنی گمراہی کی دعوت دینے والے "جمہوریت بالائے جمہوریت" کی تعداد میں اور حق و ہدایت کی طرف لانے والا ایک۔ خاتم النبیین سید الرسل حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت در دعوت کے بعد اصحاب رسولؐ اقلیت میں رہے لیکن اقلیت کو باری تعالیٰ نے حق کا سرٹیفکیٹ عطا کیا اور جمہوریت پر باطل، ضلالت اور خباثت کا فتویٰ دیا۔ یہ نہیں ہوا کہ باری تعالیٰ کفار کی اکثریت دیکھ کر ان کے حق میں فیصلہ دیتے کہ تم اور تمہارا دعوائے باطل "حق" پر ہے۔ کیونکہ جمہوریت تمہاری ہے۔ نہیں بلکہ معیارِ حق و باطل خیر و شر ہے۔ خیر والے اگرچہ کم ہیں لیکن فیصلہ انہی کے حق میں ہے۔ آپ تاریخ اٹھا کر پڑھتے نہیں "غزوہ بدر" میں مسلمان ۳۱۳ اور کفار ۱۰۰۰۔ "غزوہ احد" میں مسلمان ۱۰۰۰، اور کفار ۳۰۰۰، "غزوہ احزاب" میں مسلمان ۳۰۰۰، اور کفار دس ہزار۔ لیکن فیصلہ مسلمانوں کے حق میں دیا کہ یہ حق والے ہیں گو اقلیت میں ہیں۔ اور کفار باطل والے ہیں گو اکثریت میں ہیں "کم من فئةٍ قليلةٍ غلبت فئةً كثيرةً باذن الله" سے یہی مراد ہے۔

"نفس جمہوریت" تو ایسی مصیبت ہے کہ جب اصحاب رسول نے "غزوۂ حنین" میں دیکھا کہ آج ہم اکثریت میں ہیں تو بعض ساتھیوں نے ایک دوسرے سے کہہ دیا کہ آج تو فتح ہی فتح ہے کہ اقلیت میں جب ہم تھے تو کامیابی ہمارے قدم چومتی تھی آج تو اکثریت اور جمہوریت میں ہیں۔ دشمن کس باغ کی مولی ہے! لیکن ہوا یوں کہ اللہ تعالیٰ نے اکثریت کی بنا پر پیدا ہونے والے گھمنڈ کو کافور کرنے کے لئے اولاً میدانِ جنگ میں اربابِ حق کو عارضی شکست دی۔ نو مسلموں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ نبی برحقؐ اور آپ کے برگزیدہ اصحابؓ خصوصاً ابو بکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم ثابت قدم رہے یعنی اقلیت ہی استقامت پر رہی۔ بہرکیف اس عجب پسندی کو خدا تعالیٰ نے طنزیہ انداز میں بیان فرمایا تاکہ جمہوریت کا رتی بھر کبر و نخوت اور عُجب دلوں سے نکل جائے اور امتِ محمدیہ پر واضح ہو جائے کہ اکثریت کا خیال لانا بھی کیا مشکلات پیدا کرتا ہے فرمایا: "ويوم حنين اذ اعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئا الآية"

ترجمۂ آیت :- "غزوۂ حنین کا دن قابل ذکر ہے کہ اے مسلمانو! تمہاری جمہوریت نے تمہیں عجب میں ڈال دیا۔ پھر اس کثرت (جمہوریت) نے تمہیں فائدہ نہیں دیا۔ اور زمین تم پر باوجود اپنی وسعت کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم نے (نومسلموں نے) پشت دے کر روگردانی کی۔"

اسلام میں حاکمیت اعلیٰ (SOVEREIGNTY) اللہ تعالیٰ کے لئے مختص ہے۔ فرمایا اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (پیدا خدا تعالیٰ کرتا ہے حکم بھی اسی کا چلے گا) اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (حکم چلانا تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے) اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (حکم، حکومت کا تمام کاروبار اللہ کے قبضہ میں ہے) کوئی اور اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ (حکومت و بادشاہت میں رب العلمین کا کوئی شریک نہیں) لیکن جمہوریت کا پہلا سبق ہی یہی ہے کہ عوام حاکمیت کی مالک ہے۔ اسی لئے جمہوریت کی عموماً تعریف یوں کی جاتی ہے "عوام کی حکومت، عوام کے ذریعہ، عوام کے لئے" اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حکومت عوام کے لئے ہونی چاہئے اور اسلام بھی عوام کے لئے حکومت چاہتا ہے۔ پورا نظام کائنات عوام کے لئے ہے۔ لیکن "عوام کی حکومت" یہ عین شرک ہے گویا "عوام" خدا تعالیٰ کے شریک ہیں، تمام اختیارات کے مالک عوام ہیں ان کا حکم قانون کی حیثیت رکھتا ہے (العیاذ باللہ) عوام تو مخلوق ہیں اللہ کے حکم اور قانون کے پابند محض ہیں۔ انہیں زندگی اس لئے دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام مان کر چلیں۔ اپنی طرف سے حکم چلانے اور قانون بنانے کے لئے نہیں۔ اسلام کا تصور ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہے (اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً) خدا کے احکام کا پابند ہے۔ اس نے خدا تعالیٰ کے احکامات کو اپنی اور قوم کی زندگی میں نافذ کرنا ہے۔ اسی کا نام خلافت ہے۔ اسلام میں نیابت اور خلافت تو ہے، عوام کی حکومت نہیں۔ جب کہ جمہوری نظام کا ترانہ ہی "عوامی حکومت" ہے

جمہوریت عین شرک ہے نہ کہ عین اسلام کیونکہ اس میں عوام کو "طاقت کا سرچشمہ" قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ طاقت کا منبع و سرچشمہ وحدہٗ لاشریک ذات ہے۔ فرمایا لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (اللہ تعالیٰ کے لئے ہی طاقت و بادشاہت خاص ہے اور حمد و ثنا بھی اسی کے لئے ہے کیونکہ اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے قبضۂ قدرت میں موت و حیات ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے برملا اعتراف کرتے ہیں۔ لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (ہم میں کوئی طاقت و قوت نہیں) وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت اور طاقت خدا ہی کے پاس ہے) اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اللہ تعالیٰ ہر چیز پر طاقت و قدرت رکھتا ہے) لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (طاقت، قدرت، حکمت، علم، سمع و بصر ہر وصف ممتاز اور ہر جوہر اعلیٰ میں اللہ تم کی مثل نہیں)

لم یکن لہ کفوًا احد (اللہ کا کوئی ہمسر نہیں) اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے۔ لیکن جمہوریت میں عوام کو طاقت کا سرچشمہ قرار دے کر مختار مطلق کا تصور دیا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا شرک ہوسکتا ہے جس طرح سوشلزم میں انسان کو سرچشمہ رزق سمجھا جاتا ہے اسی طرح جمہوریت میں انسان کو "سرچشمہ حکومت" خیال کیا جاتا ہے جس طرح سوشلزم کھلا شرک اور باطل ہے اسی طرح جمہوریت بھی عین شرک اور قرآن کی زبان میں "ظلم عظیم" ہے (ان الشرک لظلم عظیم) اور یوں ایوانوں میں جانے والے "اربابا من دون اللہ" کا مصداق ہیں۔ اسلام میں بعض امور اور احکام اٹل ہوتے ہیں۔ نبیؐ وقت کو بھی ان میں ترمیم یا تنسیخ کا حق نہیں ہوتا جب کہ جمہوریت میں ہر حکم خداوندی، ہر امر رسولؐ، ہر فطری قانون، ہر الٰہی مسئلہ بھی بحث طلب ہوتا ہے۔ اکثریت و اقلیت کے ذریعہ اس کے پیمانے بدلتے رہتے ہیں۔ اسلام میں فیصلہ کن حیثیت احکم الحاکمین کو حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ جمہوریت میں "پارلیمنٹ" ہی قطعی سند ہوتی ہے۔ قانون سازی میں وہ ہر قسم پیشگی شرائط اور اضافی پابندیوں سے بالاتر ہوتی ہے۔ جمہوریت میں پارلیمنٹ اس قدر با اختیار اور "کھلی مہار" ہوتی ہے کہ چاہے تو جھوٹ کو سچ، سچ کو جھوٹ، حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے (نعوذ باللہ) حالانکہ حلال و حرام میں نبی بھی پابند ہیں۔ جمہوری پارلیمنٹ اسلام پر بھی (نعوذ باللہ) "عدم اعتماد" پیش کرسکتی ہے۔ گویا جمہوریت اسلام کے خلاف طاغوتی سازشوں کا پلندہ ہے جس کے پس پردہ اسلام دشمن، یہود و نصاریٰ کی قوت، سوچ و فکر کارفرما ہے۔ یہی پارلیمنٹ چاہے تو قانون سازی کرتے ہوئے زنا، شراب، جنس پرستی، انارکی، جوا، ریس، سود، فحاشی، عیاشی اور ہر قسم کی معاشرتی اور اقتصادی خباثت کو جائز قرار دے دے۔ کیا یہ اسلام کے خلاف سازش نہیں ؟۔

"اسلام فطری تبدیلی کا قائل ہے نہ کہ جمہوریت کے ذریعہ مصنوعی تغیر و انقلاب کا۔ جس میں چہرے بدلتے ہیں کردار نہیں! سیرت، مزاج، اطوار، اخلاق میں اچھی تبدیلی کی بجائے "معکوس تغیر" پیدا ہونا جمہوریت کا منطقی نتیجہ ہے۔ انسانی کریکٹر، ایمانیات، اخلاقیات، صلاحیت و استعداد سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ جمہوریت میں زیادہ زور "رائے" پر دیا جاتا ہے جب کہ اسلام میں ارباب مشورہ اور "اہل الرائے" پر۔ اسلام میں انسان کا بنیادی حق "رائے دہی" نہیں۔ رائے تو باصلاحیت اور عاقل کی مسلّم ہے۔ اس کا بنیادی حق تو نظریہ و کردار کی تعمیر کے لئے ایک ایسی ریاست کا وجود ہے جس میں نظام حیات اس کے ایمان و عمل صالح کے مطابق ہو تاکہ وہ ایمان و عمل صالح کے صحیح راستہ سے بھرپور تعمیر و ترقی کرسکے۔

جمہوری بھائیو! ہمیں نہ تو تم سے عناد ہے اور نہ ہی جمہوری عمل سے! اگر اختلاف ہے تو جمہوری مزاج سے اور وہ بھی سو فیصد معقول! کیونکہ جمہوریت میں "میرٹ" (MERIT) کا نام و نشان نہیں۔ اس میں سروں کی گنتی تو ہوتی ہے دماغ کا وزن نہیں، اکثریت حاکم ہوتی ہے۔ جمہوریت میں ذہن نہیں دھن، استعداد نہیں تعداد، اہلیت نہیں دولت، بصیرت نہیں اکثریت حاکم ہوتی ہے۔ حالانکہ عقل و نقل کا مسلّم اصول ہے کہ اہلیت (میرٹ) ہی ہر

شعبۂ حیات کا" بنیادی پتھر ہے۔ ڈاکٹری ہو یا انجینئرنگ، وکالت ہو یا عدالت، معلّمی ہو یا مقرّری، صحافت ہو یا سیاست، کاریگری ہو یا فن کاری ـــــ غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی میں اہلیت و دیانت اوّلین شرط ہے۔ جب کہ جمہوریت میں ان اوصاف واقدار کی کوئی اہمیت، قدر وقیمت ہی نہیں۔ اسلام میں ہر عمل اور ہر فن کے آدمی کے لئے دو شرطیں انتہائی ضروری ہیں۔ اوّل جس فن کا وہ دعویدار ہے اس فن میں اس کا علم پختہ ہو یعنی اپنے فن کا ماہر ہو۔ لائق وفائق ہو۔ دوسری شرط یہ کہ دیانت دار و مخلص ہو یعنی عمل، کردار، نظریہ صحیح ہو۔ وفادار ہو غدار نہ ہو۔ مخلص ہو منافق نہ ہو۔

مزید فرق دیکھئے کہ سب مسلمان ایک امت ہیں، اسلام تفریق کا قائل نہیں جب کہ جمہوریت میں جماعتوں کا وجود اسلام کی وحدت، یگانگت اور یک جہتی کے لئے زہر ہلاہل سے کم نہیں۔ آج سرزمین پاک میں بیسیوں سیاسی جماعتیں ہیں سب مسلمانوں کی ہیں۔ لیکن اختلاف و تفرقہ کی بنا پر ہر ایک کے نظریہ و عمل کا رُخ غیر غیر ہے۔ یہ سب جمہوریت کا غلیظ کرشمہ ہے۔ اسلام میں "حزب اقتدار" کا وجود تو مسلّم ہے مگر حزبِ اختلاف کا نام ونشان نہیں کیونکہ اسلام شرعی حکومت کی اطاعت سب پر لازم قرار دیتا ہے کسی کو مخالفت کی اجازت نہیں بلکہ مخالفت کو بغاوت سمجھا جاتا ہے۔ اور حاکم وقت (جو خود شرعی معیار پر پورا اترتا ہو) بغاوت کے خلاف کارروائی کا مجاز ہے۔ اگر حاکم میں کوئی خرابی ہے مثلاً وہ فنِ حکومت کا ماہر نہیں یا غدارِ دین و وطن ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ بوقت انتخاب اہل الرائے اصحاب کی مجلس شوریٰ اسے خوب پرکھ لے۔ اگر بعد میں خرابی ظاہر ہو تو اسے معزول کر دے۔ اگر کوئی ظالم حاکم خدا ورسول کی تعلیمات اور عوام کی خیر خواہی کے خلاف عمل کرے۔ تو پھر بغاوت شرعًا لازم ہے۔

اسلام میں حزب اللّٰہ اور حزب الشیطٰن کا وجود تو ہے مگر حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف کا نہیں۔ اسلام اس عمل کا درس تو دیتا ہے کہ سب اہلِ ایمان متحد و یکمشت ہو کر دشمن (حزب الشیطٰن) سے ٹکرلو۔ لیکن اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ باہم دست و گریبان ہو جاؤ جب کہ جمہوریت کا سبق اس کے بالکل اُلٹ ہے۔ جمہوریت اندرونی اختلافی مسائل میں الجھا کر حزب الشیطٰن سے ٹکر لینے کے لئے سوچنے کا بھی موقع نہیں دیتی

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

لا یستوی الخبیث والطیّب ولو اعجبك کثرۃ الخبیث، فاتقوا اللّٰہ یا اولی الالباب لعلکم تفلحون ۝

ترجمہ:۔ خبیث (شر، بدی، ضلالت، کفر، شرک) اور طیّب (خیر، نیکی، ہدایت، ایمان، توحید) برابر نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ خبیث (شر) کی کثرت تجھے (اے مخاطب) تعجب میں ڈالے۔ پس (حق و باطل

کے امتیاز کے پیمانہ کے بارے میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرو اے عقلمندو! (اور اپنی طرف سے حق و باطل کا معیار مثلاً۔ اکثریت (جمہوریت) نہ بناؤ۔ کیونکہ کثرت شر و خبث کی رہی ہے) تاکہ تم مکمل کامیابی (فلاح) حاصل کرو"

لیکن جمہوری نظریہ اصرار کرتا ہے کہ جس طرف جمہور ہوں ان کی بات تسلیم کی جائے۔ ان کے حق میں فیصلہ دیا جائے یہ بات کسی حد تک دل کو لگتی بھی ہے۔ مگر جمہور بدی کے دل دادہ اور برائی کے دعویدار ہوں تو پھر؟ قرآنِ کریم کا اندازِ بیان بتاتا ہے کہ بدی کے خواہشمندوں کی ہمیشہ کثرت رہی ہے۔ اس لئے ایسی اکثریت (جمہوریت) بے ایمانوں، ملحدوں، زندیقوں، فاسقوں، فاجروں، دین و دانش سے آزاد محققوں، عقل و فکر سے کورے اربابِ فکر و فلسفہ کے لئے اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتی ہے۔ اسلام کتنی معقول بات کہتا ہے کہ حق کا ساتھ دو۔ مظلوم کا سہارا بنو اگرچہ وہ ایک ہو، کمزور ہو، غریب ہو۔ اسی مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں فرمایا کہ جمہوریت کی اس تعجب خیزی اور سحر انگیزی سے بچنے کے لئے مجھ سے ڈرو، تقویٰ اختیار کرو۔ ایسی خبیث جمہوریت کو چھوڑ کر میری سنو۔ نیز اسی آیتِ طیبہ میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ ایسے "تہذیب نایافتہ" نادان کبھی فلاح کے قریب بھی نہیں بھٹک سکتے۔ ہر سمجھدار اور دیانت دار مسلمان خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ جمہوریت عین اسلام ہو سکتی ہے؟ اور اسلام کے کامل و جامع ہونے کی صورت میں بھی "اسلامی جمہوریت" کی اصطلاح کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا اسلام نامکمل نہیں ہے؟ (العیاذ باللہ) اسلام اور جمہوریت میں "عینیت" ثابت کرنے والے یا تو پرلے درجے کے گھامڑ اور کودن ہیں اور یا پھر انتہائی شاطر مفاد پرست! آج وقت کا سب سے اہم تقاضا ہم سے یہی ہے کہ ہم شرعی برہمنوں اور سیاسی پنڈتوں کی اس خوفناک چال کو سمجھیں اور پاکستان میں نفاذِ اسلام کی منزل کھوٹی نہ ہونے دیں —— کاش ہم سمجھ پائیں کہ سچ کہا تھا اکبر نے ؎

عزیز لڑتے ہیں آپس میں یہ ستم کیا ہے
خدا کی مار سے ووٹوں کی مار کم کیا ہے

بقیہ از ص ۳۹

اتنی روانی اور صفائی نہیں جتنی روانی اور صفائی مولانا کے افکار و خیالات میں پائی جاتی ہے۔ ان کا قلم میدانِ اسلام میں اس طرح چلتا ہے جیسے قرونِ اولیٰ کے غزوات نے اپنے چہروں سے نقاب الٹ دیئے ہوں۔"

تقریر کے آخر میں آغا مرحوم نے ۱۹۶۵ء کی جنگ کا پس منظر بیان کیا۔ دراصل اس جنگ کے حوالے سے وہ قوم کے جذبوں اور حوصلوں کو بیدار رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا! "جب لاہور کے محاذ پر رائل توپ چلتی تھی۔ تو لاہور کے در و دیوار اس طرح کانپتے تھے، جیسے رات کے اندھیرے میں گنہگار کا دل کانپتا ہے۔ میری مائیں، بہنیں اور بیٹیاں مصلّے پر بیٹھی دعائیں مانگتی تھیں مجھے یوں لگتا تھا جیسے اُن کی پلکوں پہ لرزنے والے آنسو طورِ سینا کے جلوے بن کر محاذ جنگ میں ہمارے سپاہیوں کی رہنمائی کر رہے ہیں۔" آغا صاحب کی تقریر ڈیڑھ گھنٹے سے تجاوز کر رہی تھی۔ رات کافی جا چکی تھی۔ وہ مریض ہونے کے باوجود اتنے تھکا دینے والے سفر پر رواں دواں تھے۔ اب ان کے لہجے پر اضمحلال غالب آ رہا تھا، وہ یہ آخری جملہ کہہ کر دفعتاً بیٹھ گئے۔

"مسلمانو! یاد رکھو محمدؐ سے وفا کرو گے، تو اس طرح چمکو گے جیسے صبح کا آفتاب چمکتا ہے، ورنہ اس طرح مٹ جاؤ گے جیسے قرطبہ اور غرناطہ سے مسلمان مٹ گئے تھے۔"

●●

خالد ھمایوں

آغا شورش اور علامہ احسان کے جلسے میں

گجرات میرا آبائی شہر تو نہیں لیکن وہاں بیس سال گزارنے کے بعد میرے دل میں اس کا مقام جدی پشتی شہر سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ روزگار کی مجبوریاں لاہور لے آئی ہیں، ورنہ جی چاہتا تھا کہ انہی گلی کوچوں میں گھومتے پھرتے عمرِ مستعار کا باقی حصہ بھی بیت جائے۔ سرسید نے اس شہر کو بجا طور پر خطۂ یونان کا خطاب دیا تھا۔ اس نے ایسے ایسے نابغۂ روزگار لوگ پیدا کیے ہیں کہ جن کے کارناموں کا چار دانگ عالم میں شہرہ ہے۔

کبھی کبھی موقع نکل آتا ہے تو ساری مصروفیات تج کر گجرات جانا پڑتا ہے۔ دریائے چناب پار کرتے ہی یادوں کے دریچے وا ہو جاتے ہیں اور ماضی کے بے شمار مذہبی، سیاسی اور ادبی ہنگامے اپنی تمام رونقوں کے ساتھ نگاہوں کے سامنے ابھرنے لگتے ہیں۔

۱۹۷۰ء میں گجرات میں ایک ایسا عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا تھا جس کی یاد آج بھی میرے ذہن کے افق پر ستاروں کی طرح جگمگا رہی ہے۔ اس جلسے کے دو بڑے مقرر تھے، آغا شورش کاشمیری مرحوم و مغفور اور علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید۔ دونوں کی تقریریں عوام نے بے حد ذوق و شوق سے سنیں اور کئی دن تک سر دھنتے رہے۔ ملکی انتخابات ہونے والے تھے۔ سیاسی فضا آتش بار تھی، اس لیے ہر دو صاحبان کی تقریروں میں بھی سمندروں کا خروش تھا۔ علامہ صاحب غالباً پہلی دفعہ عوامی جلسوں کی اتنی بڑی مہم سر کرنے نکلے تھے۔ انھوں نے اپنی تقریر میں زیادہ تر آغا صاحب کے سیاسی مخالفین کو آڑے ہاتھوں لیا جو تہمتوں کی راکھ اڑاتے ہوئے بے قابو ہو رہے تھے۔ تقریر کیا تھی، یوں لگتا تھا جیسے شیر دھاڑ رہا ہو۔ البتہ آغا صاحب کی تقریر ادب اور سیاست کا خوبصورت آمیختہ تھی۔ اس تقریر کے بہت سے حصے میرے ذہن میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ خطبۂ مسنونہ کے بعد مجھے یاد پڑتا ہے، آغا صاحب ان الفاظ کے ساتھ سامعین سے مخاطب ہوئے تھے:

"مجھ سے پہلے میرے عزیز بھائی حافظ احسان الٰہی ظہیر نے جس قہر و غضب کے انداز میں اپنے خیالاتِ عالیہ کا اظہار کیا ہے، جس روانی اور طغیانی سے اپنی موجوں سے آپ کے دامنِ سماعت کو دھونا چاہا ہے، میں اس میں مزید کوئی اضافہ نہیں کر سکتا۔ اپنا اپنا انداز، اپنا اپنا ڈھب، اپنا اپنا رُخ، اپنے اپنے تیور اور اپنا اپنا اسلوب ہوتا ہے اور آدمی اپنے جذبات کو اس سانچے میں ڈھال کر پیش کرتا ہے"

"آج جب میں یہاں آ رہا تھا یا جب یہاں کے دوست مجھے وہاں بار بار دعوت دینے کے لیے جاتے تھے، بات چیت کرتے تھے اور اُن بھائیوں کے متعلق جو ہماری مخالف صف میں ہیں، ان کے تذکرے بیان کرتے تھے اور حکایتیں بیان کرتے تھے تو ظاہر بات ہے جو باتیں وہ بیان کرتے تھے، میں سنتا تھا لیکن آویزۂ گوش نہیں بناتا تھا۔ بس یوں سمجھتا تھا کہ صرصر کی ایک موج آتی اور نکل جاتی ہے۔ جہاں تک حافظ صاحب کا تعلق ہے مجھے ان کے جذبے میں، ان کے ولولے میں، ان کی خطابت میں اور اُن کے ایمان میں رتی بھر شبہ نہیں، وہ مدینہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں، بڑے عالم اور فاضل آدمی ہیں، مستقبل انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے، ہم لوگ تو اب چراغِ سحری ہیں۔

کل جی کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

جی! اور سے

کھو چکا جو جوشِ طاقت اب ملے دشوار ہے
حشر میری سمت اب گرتی ہوئی دیوار ہے

تو اس لیے ایک قافلہ، بہت پرانا قافلہ، جو کبھی چلا تھا یہاں گجرات ہی سے چلا تھا، اور ایک شخص اٹھا تھا دیوانہ، جس کے بالوں کی جنبش کے ساتھ کائنات بھی جنبش کیا کرتی تھی، اس قافلے کا ایک بچھڑا ہوا مسافر میں بھی ہوں۔ وہ قافلہ اپنی منزل پر پہنچ گیا ہے اور میں منزل کے قریب آ گیا ہوں۔"

"دیوانے" سے مراد رئیس الاحرار سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم و مغفور کی ذاتِ گرامی ہے۔ ان کا آبائی وطن گجرات تھا۔

آغا مرحوم کی تقریر مرصع الفاظ اور عمدہ نادر خیالات کا ایک سیلابِ بلا تھی۔ ان کے سامنے سامعین کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ وہ الفاظ کی موجیں اُچھال رہے تھے۔ آہ اور واہ کا دلآویز سماں بندھ گیا تھا۔ آغا صاحب کہہ رہے تھے:

"حافظ جی نے جو کچھ کہا ہے، غلط نہیں کہا۔ اس لیے کہ جب ان کے دوستوں کی، ان کے رفیقوں کی اور ان کے اکابر کی توہین کی جائے گی، اہانت کی جائے گی، تو جب تک آدمی آگ، ہوا اور مٹی کا بنا ہوا ہے اُسے غصہ آتے گا اور وہ غصے میں ایسی باتیں کہہ جائے گا، لیکن میرا معاملہ تو بقول ناسخ کے ہے سے

اُن کو آتا ہے پیار پر غصہ
مجھ کو غصے پہ پیار آتا ہے

ہمارے دوستوں نے ہمارے متعلق کہا، جس لہجے میں کہا، جس قہر میں کہا، جس غضب میں کہا، جس روانی میں کہا، جس طغیانی میں کہا، جس پس منظر میں کہا، جس پیش منظر میں کہا اور جس تہ منظر میں کہا، ہو سکتا ہے، اس میں کوئی صداقت ہو، آخر ہم بھی انسان ہیں، اور سے

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

اگر ہم میں گناہ نہ ہوتے، معصیت نہ ہوتی، عصیاں شعاری نہ ہوتی، تو پھر رحمۃ اللعالمینؐ کے تشریف لانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ آج یہاں گجرات کے ذہین لوگ بیٹھے ہیں، فطین لوگ بیٹھے ہیں (چھتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) حسین لوگ بیٹھے ہیں، نازنین بیٹھے ہیں اور مہ جبین بیٹھے ہیں، آج میرا بھی جی چاہتا ہے کہ کچھ ایسی باتیں کہتا جاؤں، بقول حفیظ کے :

میرے چُپ رہنے کی عادت جس کارن بدنام ہوئی
اب وہ حکایت عام ہوئی ہے سنتا جا شرماتا جا

یا بالفاظِ دیگر سے

رہیں گی بعد میرے بھی یوں ہی رسوائیاں میری !
جو چُپ ہوں گا تو پھر دنیا کہے گی داستاں میری

اور اب ان دونوں کو مربوط کرنے کے بعد فانی کے اس شعر کی طرف آیئے سے

اے اہلِ حشر ہے کوئی نقادِ سوزِ دل
لایا ہوں دل کے داغ نمایاں کیے ہوئے

اس لیے میرے پاس تاریخ اور خیالات کی کمی نہیں، شاید چناب کے پانی میں اتنی موجیں نہ ہوں، جتنی خیالات کی لہریں میرے دماغ میں کروٹیں لے رہی ہیں، آپ جس موضوع پر کہیں گے میں تقریر کروں گا۔"

آغا صاحب کہا کرتے تھے مجھے فارسی اور اُردو کے ایک لاکھ اشعار یاد ہیں۔ گجرات میں اپنی تقریر کے دوران موقع اور محل کے مطابق انہوں نے بے شمار اشعار سنائے۔ عوام ان کی طلاقتِ لسانی پر انگشت بدنداں تھے۔ تقریر کے دوران کسی کونے سے زوردار نعرہ گونجا، "آغا شورش کاشمیری زندہ باد" آغا کہنے لگے "بھئی یہ نعرہ نہ لگائیں۔ آپ لوگوں کا کیا اعتبار! یاد ہے میں سہروردی کے ساتھ آیا تھا تو آپ لوگوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا تھا، ہم آپ کے ساتھ ہیں تو میں نے کہا تھا، آپ کے تو کبھی گھوڑوں نے وفا نہیں کی، ہم سے کیسے کرو گے"! سارا مجمع قہقہوں سے گونج اُٹھا۔ پھر آغا کہنے لگے، میں نے کہا تھا سے

ساقیو بادہ کی بزم اُن سے ملاقات کی رات
آج تک یاد ہے شورش مجھے گجرات کی رات

اور پھر اُسی پر آغا حشر نے کہا تھا سے

اب کہاں جاؤ گے رہ جاؤ یہیں رات کی رات
میرے گھر آئی ہے تقدیر سے برسات کی رات

حافظ احسان الٰہی ظہیر نے اپنی تقریر میں گلہ کیا تھا کہ ہمارے مخالفین الزام تراشی کرتے ہوئے ذرا بھی غیرت محسوس نہیں کرتے

آغا صاحب نے اس ضمن میں کہا "دراصل ہمارے حریفانِ غیرت یہ تھی داستانِ حیرت ہو گئے ہیں"۔ یہ جملہ پھر دہرایا اور سامعین سے پوچھا "کیوں گجراتیو! کچھ سمجھ وچ آئی گل؟" سامعین نے جواب دیا، "بالکل نہیں"۔ کہنے لگے: "ایک دفعہ اسی طرح لدھیانہ کے ایک گاؤں میں شاہ جیؒ تقریر کر رہے تھے۔ موضوع واقعہ معراج تھا۔ شاہ جی نے کہا "اللہ دا محبوب جدوں اللہ نوں ملن چلیا تے کائنات رک گئی"۔ لوگوں سے پوچھا "کیوں جی کجھ وچ آئی گل"؟ پھر شاہ جی نے کئی مترادفات بولے، تھم گئی، ٹھہر گئی، مگر بات پلے نہ پڑنے تھی نہ پڑی۔ آخر شاہ جی نے اپنے بالوں کو دی جنبش، اور جانتے ہو نا شاہ جی کی زلفوں کو کہ سے

شبِ غم کی دست درازیاں تیرے گیسوؤں پہ نثار ہوں
میری بے کسی کی قسم تجھے میری بے کسی پہ الم نہ کر

شاہ جی نے دی جنبش اور پھر کہا سے

تیرے لونگ دا پیا لشکارا تے ہالیاں نے ہل ڈک لئے

اب شاہ جی نے پوچھا، کیوں بھائی ہن سمجھ آئی ؟ کہنے لگے "شاہ جی ڈاہڈی سمجھ آئی" تو بھئی گجراتیو، تم بھی غالباً وہاں پہنچے ہوئے تھے"۔ (قہقہے)

پھر آغا نے بلند آہنگ ہو کر مجمعے سے کہا: "حافظ صاحب نے ان کی غیرت کا ذکر کیا ہے۔ یاد رکھو غیرت اگر جاگ اٹھے تو کچے گھڑے میں جاگ اٹھتی ہے کہ میں کسی کی بیٹی کو پار نہیں جانے دوں گا، یہیں ڈبو دوں گا، نہ جاگے تو انسان میں نہیں جاگتی صبا کی طرح جھومتی چلی جاتی ہے"۔

علامہ احسان الٰہی کی تقریر کے دوران کسی من چلے نے دانستہ طور پر نعرۂ رسالت گونجا دیا تھا۔ آغا کہنے لگے: ــــــ

"نعرہ لگانے والے کا خیال تھا کہ یہ نعرہ حافظ احسان الٰہی ظہیر کو شاید گولی بن کر لگے گا۔ بھئی وہابی تو میں بھی ہوں، مگر میں ذرا گلابی ہوں۔ میرے پاس وقت ہوتا تو میں صرف سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر آپ سے مخاطب ہوتا۔ پچھلے دنوں میں عمرہ کرنے حجاز گیا۔ طوافِ کعبہ سے فارغ ہوا تو کسی نے پوچھا: "مدینے بھی جاؤ گے"؟ میں نے کہا، کیوں نہیں۔ میں نے اُن کی وجہ سے تو اس گھر کو پہچانا ہے، ورنہ میرا اس گھر کے ساتھ تعلق کیا ہے؟ یہاں جبینیں جھکتی ہیں، تو وہاں دل جھکتے ہیں۔ یہاں فرض سجدہ کرتا ہے، تو وہاں عشق سجدہ کرتا ہے۔ میں نے طواف کرتے ہوئے اقبال کے اس شعر کو بار بار دہرایا اور اس کے معانی سمجھے ؎

زمانہ کہنہ بُتاں را ہزار بار آراست
من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است

میں حجرِ اسود کو بوسہ دینے لگا تو یوں لگا جیسے حضورؐ ابھی بوسہ دے کر ہٹے ہوں ؎

ابھی اِس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

"یاد رکھو بات گالی سے نہیں ہوتی، دلیل سے ہوتی ہے۔ اگر میری کوئی بات معقول نظر آئے، مناسب نظر آئے اور امرِ واقعہ کے مطابق نظر آئے، اُسے تو آویزۂ گوش بنا لیجیے، ورنہ اس طرح پھینک دیجیے جیسے رات کی تاریک تنہائی میں بیوہ کا آنسو مٹی میں جا کر جذب ہو جاتا ہے"۔

ان دنوں ملکی سیاست میں اسلام اور سوشلزم کے درمیان آویزش عروج پر تھی۔ آغا صاحب اسلام پسند حلقے کی بعض تعبیرات سے اتفاق نہیں رکھتے تھے، مثلاً ملکیتِ زمین کے مسئلے پر اس دور میں جو آراء پیش کی جا رہی تھیں، آغا مرحوم اُن سے مطمئن نہ تھے۔ اس کے باوجود وہ سوشلزم کے فلسفے اور سیاست کو نئی مسلمان نسلوں کے لیے خطرہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے نعرۂ رسالت لگانے والے نوجوان سے مخاطب ہو کر کہا:

"او یا رسول اللہ کا نعرہ لگانے والے میرے بھائی، یہ تصوّف کے سارے سلسلے چشتی، سہروردی، نقشبندی اور قادری جانتے ہو کہاں سے آئے، یہ سب سمرقند سے آئے، بخارا سے آئے، تاشقند سے آئے، جس تاشقند کا راز لے کر پاکستان کا ایک لیڈر اس طرح پھرتا ہے، جیسے شاعرانہ غلطی آغوش میں بچہ لیے پھرتی ہے۔ کراچی میں کہتا ہے لاہور میں بتاؤں گا، لاہور میں کہتا ہے، راولپنڈی میں بتاؤں گا۔ پنڈی میں جا کر کہتا ہے مجھے ایک کرنل نے راز فاش کرنے سے منع کر دیا ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں، کوئی کرنل نہیں، سب جھوٹ ہے۔ کوئی اس لیڈر سے یہ نہیں پوچھتا ؎

جو تمہاری طرح کوئی تم سے جھوٹے وعدے کرتا
تمہی منصفی سے کہہ دو تمہیں اعتبار ہوتا ؟

میں عرض کر رہا تھا کہ ان بستیوں میں جب سوشلزم آیا تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کمیونسٹوں سے کہ پھر وہاں کوئی بخاری اُٹھا، کوئی قدوری کا درس دینے والا اُٹھا؟ اب تو وہاں عالی شان مسجدیں کھنڈر ہو چکی اور اپنی بربادی کا نوحہ پڑھ رہی ہیں حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں سوشلزم کے نعرے کو جدید سرمایہ داری نظام نے جنم دیا ہے۔ اس کے سوا کوئی اور وجہ نہیں ــ

کراچی یونیورسٹی میں ایک پروفیسر صاحب نے مجھ سے سوال کیا، آغا صاحب یہ تو بتائیے کہ ہماری نئی نسلیں ماضی سے بے خبر، حال سے برگشتہ اور مستقبل سے مایوس کیوں ہو گئی ہیں؟ تو میں نے جواب دیا تھا کہ پاکستان میں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے یہ صورتحال پیدا کی ہے"۔ اُن دنوں سوشلزم کے خلاف سب سے بڑی قوت جماعتِ اسلامی تھی۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کو منبر و محراب سے بھی مخالفت کا سامنا تھا اور باہر سوشلسٹ عناصر ان پر امریکی ایجنٹ ہونے کا الزام لگا رہے تھے۔ آغا صاحب نے مولانا سے اپنی عقیدت وارادت کا ان الفاظ میں اظہار کیا:

"میں جماعت اسلامی کا متفق نہ رکن، لیکن میں مولانا مودودی کی تحریروں سے بے اندازہ متاثر ہوں۔ قدرت نے ان کی تحریروں میں ایسی تازگی دی ہے، جیسے ماں کی گود کے معصوم بچے کے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی ہے کہکشاں میں اتنے رنگ نہیں جتنے رنگ مولانا مودودی کی انشا میں پائے جاتے ہیں۔ آبشاریں

بقیہ ص ٣٦ پر دیکھیں ــ

مولانا محمد عبدالحق چوہان

جادۂ اعتدال

قسط دوم

مجوسی نے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا شہید کر ڈالا۔ تو انہوں نے جوشِ انتقام سے بے تاب ہو کر قاتل کی کمسن لڑکی اور ہرمزان کو جو ایک نو مسلم ایرانی تھا اور جفینہ کو جو ایک نصرانی ذمی تھا قتل کر دیا۔ کیونکہ ان دونوں کے بارے میں ان کا یہ خیال تھا کہ یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورۂ قتل میں شریک تھے۔

اس مقام پر نعمانی صاحب اپنی نُعبانی صفت کے ساتھ پوری طرح جلوہ گر ہیں کیونکہ حضرت عُبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اگرچہ روایت کے اعتبار سے صحابی نہیں لیکن رؤیت کے لحاظ سے تو صحابی ہیں کیونکہ ان کی ولادت سنہ ۶ ھ سے قبل ہے اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی والدہ ملیکہ "کو سنہ ۶ ھ میں طلاق دے دی تھی۔ تو پھر یہ بات بالکل ہی بدیہی ہے کہ ان کی ولادت اس سال سے پہلے ہو چکی ہو گی۔ لیکن نعمانی صاحب ان کے نام کے ساتھ نہ تو "حضرت" کا لفظ تحریر کرتے ہیں اور نہ ہی "رضی اللہ عنہ" کا دعائیہ کلمہ تحریر کرتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر اس طرح کے غصّہ کا اظہار حُبِّ ہرمزان کا نتیجہ ہے یا کہ بغضِ معاویہ کا کیونکہ حادثۂ صفین میں یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

عبید الله بن عمر بن الخطاب رضی الله عنهما ولد علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ولد احفظه روایته عنه ولاسماعا منه وکان من انجاد قریش و فرسانهم قتل عبید الله بن عمر بصفین مع معاویة۔ (الاستیعاب ص۴۳۱ ج ۳)

عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی روایت اور نہ ہی آپ سے اس کا سماع ہمیں معلوم ہے۔ یہ شخص قریش کے شرفاء اور شہسواروں میں سے تھا۔ موقع صفین پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور اسی جنگ میں اس کی شہادت ہوئی۔

نعمانی صاحب حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے جذبۂ انتقام کے محرک کو بیان نہیں کرتے صرف یہ ارشاد فرماتے ہیں :-
کیونکہ ان دونوں کے بارے میں ان کا یہ خیال تھا کہ یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورۂ قتل میں شریک تھے۔

حالانکہ اصل محرک یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قبل حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ ہرمزان ۔ ابولؤلو ۔ اور حیرہ کا ایک نصرانی جس کا نام جفینہ تھا ۔ ایک جگہ اکٹھے بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں ۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ جونہی ان کے قریب گئے تو ابولؤلو وہاں سے اٹھا اٹھتے ہی اس کے ہاتھ سے ایک خنجر گر پڑا جس کو انہوں نے اٹھالیا ۔ حضرت عبدالرحمٰن نے یہ خنجر دیکھ لیا ۔ ان سے پوچھا کہ اس خنجر سے تم کیا کام کرو گے ؟ انہوں نے کہا ہم اس سے گوشت کاٹیں گے ۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ابولؤلو مجوسی نے حملہ کیا اور اس سے جو خنجر برآمد ہوا تو یہ وہی خنجر تھا جو حضرت عبدالرحمٰن نے ہرمزان' ابولؤلو ۔ اور جفینہ کے پاس دیکھا تھا ۔ حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب اس واقعہ کا علم ہوا اور پھر انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواباً کہا کہ واقعی میں نے یہ خنجر ان کے پاس دیکھا تھا ۔ اس پر انہوں نے ہرمزان اور جفینہ پر حملہ کر دیا ۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی مشہور کتاب " الإصابة " میں تحریر فرماتے ہیں :-

وسبب ذالك ما اخرجه ابن سعد من طريق يعلى بن حكيم عن نافع قال رأى عبد الرحمن بن ابى بكر الصديق السكين التى قتل بها عمر ۔ فقال رأيت هذه امس مع الهرمزان وجفينه فقلت ما تصنعان بهذه السكين فقالا نقطع اللحم فانا لا نمس اللحم ۔ فقال له عبيد الله بن عمر انت رأيته معهما ۔ قال نعم ۔ فاخذ سيفه ۔ ثم اتاهما

اس کا سبب وہ ہے جس کو ابن سعد نے یعلیٰ بن حکیم کی سند سے نقل کیا ہے ۔ وہ یہ کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق نے جب وہ خنجر دیکھا جس کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تھا تو انہوں نے کہا یہ خنجر تو میں نے کل ہرمزان اور جفینہ کے پاس دیکھا تھا ۔ اور میں نے ان سے پوچھا تم اس خنجر سے کیا کام کرو گے تو انہوں نے کہا ہم اس سے گوشت کاٹیں گے کیونکہ ہم گوشت کو ہاتھ نہیں لگاتے ۔ پھر حضرت عبیداللہ بن عمر نے ان سے پوچھا کہ واقعی آپ نے یہی خنجر ان کے پاس دیکھا تھا انہوں نے کہا ہاں اس پر

فقتلهما واحد بعد واحد فارسل اليه عثمان فقال ما حملك علیٰ قتل هذين الرجلين فذكر القصة (الاصابه ص۵۶ ج ۳)

عبید اللہ اپنی تلوار لے کر ان کے پاس آ گئے، اور یکے بعد دیگرے دونوں کو قتل کر دیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ تو نے ان دونوں کو کیوں قتل کیا ہے اس پر انہوں نے اصل واقعہ بیان کیا۔

حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اقدام کے بعد صحابہ کے درمیان اس امر پر اختلاف رونما ہوا کہ ہرمزان کے قصاص میں عبید اللہ کو قتل کیا جائے یا کہ نہ۔ بعض حضرات کی یہ رائے تھی کہ حضرت عبید اللہ کو قصاصاً قتل کیا جائے کیونکہ ہرمزان "معصوم الدم" تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہی تھی اور بعض حضرات کی یہ رائے تھی کہ عبید اللہ کو قصاصاً قتل نہ کیا جائے کیونکہ ہرمزان اور جفینہ حضرت عمر کے قتل کی سازش میں ابولؤلؤ مجوسی کے ساتھ برابر کے شریک ہیں اس لئے وہ معصوم الدم ہی نہیں رہے۔ مرتبِ رسالہ اور ناقد رسالہ نے صحابہ کے اس اختلاف کو جس صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے وہ ان کی کوتاہ بینی اور کج فہمی پر برہان بیّن ہے۔ مرتب رسالہ کی رائے یہ ہے کہ :-

حضرت عثمان جب خلیفہ منتخب ہو گئے تو بجائے اس کہ مسلمانوں کے عظیم سربراہ اور محمد رسول اللہ کے خاص صحابی حضرت عمر کے قتل کی باقاعدہ تحقیق کر کے اس سازش میں ملوث تمام دوسرے افراد کے خلاف عمل کارروائی کا مطالبہ کیا جاتا بنو ہاشم اور حضرت علی کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ عبید اللہ بن عمر کو ہرمزان کے بدلہ میں قتل کر دیا جائے۔

مرتب رسالہ اس عبارت کے ذریعہ یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش میں شریک تھے اور قصاص کا مطالبہ انہوں نے اس بنا پر کیا تھا تاکہ مسلمانوں کی توجہ تحقیق سازش کی بجائے دوسری طرف منعطف ہو جائے۔ اور ناقدِ رسالہ اس جملہ پر تنقیدی بیان میں یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش میں ہے کہ قصاص کے مطالبہ پر صحابہ کا اتفاق تھا چنانچہ وہ تحریر کرتے ہیں کہ :-

پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے ان کے بارے میں صحابہ سے مشورہ طلب کیا خود حضرت عثمان اور عام مہاجرین کی رائے یہی تھی کہ ان کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔ بنو ہاشم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس بارے میں کچھ تخصیص نہیں۔

نعمانی صاحب نے اپنی رائے کی تائید میں طبقات ابن سعد کی یہ عبارت پیش کی ہے :-

فلمّا استخلف عثمان دعا المهاجرين والانصار فقال اشيروا عليّ في قتل هذا الرّجل الّذي فتق في الدّين ما فتق فاتفق المهاجرون على كلمةٍ واحدةٍ يشايعون عثمان على قتله -(ص۳۵۶، ج ۳)

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے مہاجرین و انصار کو طلب کرکے فرمایا کہ مجھے اس شخص کے بارے میں جس نے دین میں یہ رخنہ برپا کر دیا ہے۔ مشورہ دیجئے تو سب مہاجرین یک زبان ہو کر عبید اللہ کے قتل کرنے کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کی تائید کرنے لگے۔

نعمانی صاحب نے یہاں ایک علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ انہوں نے ابن سعد کی ناقص عبارت نقل کرکے اپنی رائے کو موثق کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس عبارت کے آگے یہ عبارت ہے:-

وجل الناس الاعظم مع عبيدالله يقولون لجفينة والهرمزان ابعدهما الله لعلكم تريدون ان تتبعوا عمر ابنه فكثر في ذالك اللغط والاختلاف ثم قال عمرو بن العاص لعثمان يا اميرالمؤمنين ان هذا الامر قد كان قبل ان يكون لك على الناس سلطان فاعرض عنهم (طبقات ابن سعد ص۳۵۶ ج ۳)

ایک بڑی جماعت لوگوں کی حضرت عبیداللہ کی تائید میں تھی اور انہوں نے کہا کہ ہرمزان اور جفینہ خدا ان کو غارت کرے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ حضرت عمر کے بعد اس کے لختِ جگر کو بھی قتل کیا جائے اس معاملہ میں زیادہ اختلاف ہو گیا اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا امیرالمومنین یہ معاملہ آپ کے سریر آرائے خلافت ہونے سے پہلے کا ہے آپ ان کی طرف توجہ ہی نہ دیں۔

اور "الإصابہ" میں ہے:-

فلمّا استخلف عثمان قال اشيروا عليّ فيما فعل الرّجل فاختلفوا فقال عمرو بن العاص

جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ مجھے مشورہ دیجئے جس نے

ان اللہ عفاک ان یکون ھٰذا الامر ولك علی النّاس سلطان فترك ودیٰ الرجلین والجاریۃ۔
(ص۴۶ ج ۳)

یہ کام کیا ہے اس کے فیصلہ اور مشورہ میں صحابہ نے اختلاف کیا۔ اس پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا نے آپ کو اس سے بچا لیا ہے کیونکہ یہ معاملہ آپ کے دورِ خلافت سے پہلے کا ہے اس لئے حضرت عثمان نے ان کو چھوڑ دیا اور دو مردوں اور ایک لڑکی کی دیت ادا کر دی۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ البدایہ میں تحریر کرتے ہیں :۔

فلمّا ولّی عثمان وجلس للناس کان اوّل ما تحوکم الیہ فی شان عبید اللّٰہ۔ فقال علی ما من العدل ترکہ۔ و امر بقتلہٖ۔ وقال بعض المھاجرین أ یقتل ابوبالامس ویقتل ھوالیوم فقال عمرو بن العاص یاامیرالمؤمنین قد برأك اللہ من ذالك قضیۃ لم تکن فی ایّامك فدعھا عنك فودیٰ عثمان رضی اللہ عنہ اولٰئك القتلیٰ من مالہ لان امرھم الیہ اذ لا وارث لھم الاّ بیت المال والامام یری الاصلح فی ذالك وخلّی سبیل عبید اللّٰہ۔

جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے اور لوگوں کے فیصلہ کے لئے بیٹھے تو سب سے پہلا فیصلہ ان کی خدمت میں عبید اللہ کے متعلق پیش کیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عبید اللہ کو یونہی چھوڑ دینا انصاف نہیں اور انہوں نے عبید اللہ کے قتل کرنے کے متعلق حکم دیا۔ اور بعض مہاجرین نے کہا کل اس کا باپ قتل کیا گیا ہے آج اس کو قتل کر دیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا اے امیرالمؤمنین خدا نے آپ کو اس معاملہ سے بچا لیا ہے اس لئے کہ یہ معاملہ آپ کے دورِ خلافت سے پہلے کا ہے آپ اس کو چھوڑ دیں۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مال سے مقتولین کی دیت ادا کر دی کیونکہ ان کا معاملہ حضرت عثمان ہی کے سپرد تھا کیونکہ ان کا

(البدایہ صـ۱۴۸ ج ۷)

وارث بیت المال کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں تھا اور امام اس طرح کے معاملات میں خود مختار ہے وہ جس طرح مصلحت دیکھے اسی طرح کر سکتا ہے اور انہوں نے حضرت عبید اللہ کو چھوڑ دیا۔

اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کا جو تجزیہ کیا ہے وہ آب زر سے تحریر کرنے کا مستحق ہے اس لئے فائدہ کی تمامیت کی غرض سے ہم اس کو بطور ہدیہ کے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں :۔

وقد قال عبد اللہ بن عباس لمّا قتل عمر وقال له عمر كنت انت وابوك تحبان ان تكثر العلوج بالمدينة فقال ان شئت ان نقتلهم فقال كذبت ۔ اما بعد اذ تكلموا بلسانكم وصلوا الى قبلتكم ۔ فهذا ابن عباس وهو افقه عبيد اللہ بن عمر وادين و افضل بكثير يستأذن عمر فى قتل علوج الفرس مطلقًا الّذين كانوا بالمدينة لما اتهموهم بالفساد اعتقدوا جواز مثل هذا فكيف لا يعتقد عبيد اللہ جواز قتل الهرمزان ۔ فلما قتل الهرمزان استشار عثمان الناس فى قتله فاشار عليه طائفة من الصحابة ان لا تقتله فان اباه قتل بالامس

جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی کئے گئے تو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فرمایا تھا کہ تو اور تیرا والد اس بات کو پسند کرتے تھے کہ مدینہ میں غلاموں کی بہتات ہو اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اگر آپ کی مرضی ہو تو ہم ان غلاموں کو قتل کردیں ۔ تو اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ تم نے غلط کہا جس وقت انہوں نے کلمہ پڑھ لیا اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے انہوں نے نماز پڑھ لی اب ان کو قتل کرنا صحیح نہیں ۔ یہ حضرت ابن عباس فقاہت ، دیانت اور فضیلت کے لحاظ سے حضرت عبید اللہ بن عمر سے بہت بلند درجہ ہیں جب وہ مدینہ کے تمام فارسی غلاموں کے قتل کرنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں کیونکہ وہ ان غلاموں کو قتل اور سازش میں ملوث جانتے تھے ۔ تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت عبید اللہ بن عمر سازش کی بنا پر

ويقتل هو اليوم فيكون فى هٰذا فساد فى الاسلام وكأنهم وقعت لهم شبهة فى عصمة الهرمزان۔ (منهاجُ السنّة ص۲ ج ۳)

ہرمزان کے قتل کو جائز نہ سمجھتے ہوں۔ پس جس وقت ہرمزان قتل کیا گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قصاص کی وجہ سے عبید اللہ کے قتل کرنے کا مشورہ طلب کیا۔ تو صحابہ کے ایک گروہ نے کہا کہ ان کو قتل نہ کرو پس تحقیق اس کا باپ کل قتل ہوا ہے اور آج یہ قتل کیا جائے اس سے فتنہ برپا ہو جائے گا۔ گویا ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس بات پر شبہ تھا کہ حضرت عمر کے قتل کرنے کی سازش میں شریک ہونے کے باعث ہرمزان "معصوم الدم" ہی نہیں رہا۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحقیق سے یہ بات بالکل ہی روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قتل ابو لولو مجوسی کا انفرادی فعل نہیں تھا بلکہ یہ قتل ایک خفیہ سازش کا نتیجہ تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ جملہ جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مخاطب کر کے فرمایا تھا وہ اسی سازش کی طرف مشیر ہے۔ جیسا کہ ہم خود پہلے اس بات کی طرف اشارہ کر آئے ہیں اور پھر یہ کہ صحابہ کے اس فیصلہ کی توجیہ کے بعد جس کو علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔ نعمانی صاحب کا یہ قول بھی سراسر غلط ہو جاتا ہے جو کہ انہوں نے جوش میں آکر فرمایا ہے کہ :۔

بلکہ فردِ جرم خود عبید اللہ بن عمر کے خلاف عائد کی گئی کہ انہوں نے اشتعال میں آکر خونِ ناحق کا ارتکاب کیا لہٰذا مقتول کی دیت ادا کی جاتی ہے۔

(جاری)

نقیب ختم نبوّت کے سالانہ خریدار متوجہ ہوں!

● نقیب ختم نبوت کے جن سالانہ خریداروں کا چندہ ختم ہو چکا ہے وہ خریداری کی تجدید کے لئے فوراً مبلغ ۔/۶ منی آرڈر روانہ کر دیں۔ ● خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں ورنہ ادارہ جواب دینے کا پابند نہیں ● ہر انگریزی مہینہ کی ۱۰،۱۱ تاریخ کو رسالہ پوسٹ کر دیا جاتا ہے ۲۰ تاریخ تک پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔

(سرکولیشن منیجر)

ماضی کے جھروکے سے

حضرت محمد حسن چغتائی مدظلہ العالی

ہندو کی چھوت چھات کا عبرت انگیز واقعہ

یہ واقعہ غالباً ہیرے خاں راجپوت۔ احرار کارکن ماچھی واڑہ نے کسی ملاقات میں سنایا۔ جسے میں نے اپنی اس وقت کی پاکٹ بک میں درج کیا۔ اب اچانک نظر سے گذرنے پر ہدیۂ قارئین کر رہا ہوں۔

محمد حسن چغتائی

ماچھی واڑہ (لدھیانہ) میں ۲۶ - ۱۹۲۵ء میں ایک گوڑ برہمن پوسٹ ماسٹر ہوا کرتا تھا۔ جو چھوت چھات کا بڑا پابند تھا۔ مسلمانوں سے چٹھی کے ساتھ ہی پیسے لیتا دیتا۔ اور چٹھی کے ساتھ ہی کارڈ لفافے ٹکٹ، رسید وغیرہ کھڑکی میں رکھ دیتا۔ باوجود احتجاج کے وہ اس غیر انسانی رویہ سے باز نہ آیا۔ اس کے اس قابلِ اعتراض سلوک سے تنگ آکر ایک دن چند مسلمان نوجوانوں نے یہ سکیم بنائی کہ یہ شخص صبح سویرے سردی کے موسم میں روزانہ بڑھا نالا پر (جو ہندوؤں کی پوّن تھی) نہانے جایا کرتا تھا۔ ایک دن نوجوان اس کے راستہ میں منتظر رہے۔ یہ نالا سے نہا کر واپس آرہا تھا۔ کہ ایک مسلمان نوجوان آگے بڑھا (اس کی نظر کمزور تھی پہچان نہ سکتا تھا) اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا "پنڈت جی! جے رام جی کی" اس نے دونوں ہاتھوں سے کندھا پکڑ کر اور ہاتھ جوڑ کر جواباً جے رام جی کی، کہی اور لڑکے کی طرف دیکھ کر بولا کہ کون ہے؟ لڑکا بولا "رفیق" جس پر اس نے پھریری لی۔ اور بولا اوہو ہو! الّو کے پٹھے تم نے مجھے بھٹا دیا۔ یہ کہہ کر پھر واپس چلا گیا۔ اور جب دوسری بار نہا کر واپس آیا۔ تو دوسرے مسلمان نوجوان نے پہلا عمل دُہرایا۔ جس پر وہ اس کو بُرا بھلا کہہ کر "بھٹ اتارتے" چلا گیا۔ تیسری بار جب نہایا تو اس نے سردی برداشت نہ ہو سکی، اور وہیں ٹھٹھر کر مر گیا۔ فی النّار والسقر مع الجد والپدر

ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

مَنْ سَبَّ الْاَنْبِیَاءَ قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ جُلِدَ

جو شخص انبیاء علیہم السلام کو بُرا کہے اس کو قتل کر دیا جائے، اور جو شخص میرے صحابہ کو گالی بکے اس کی دُرّوں سے پٹائی کی جائے!

سرمۂ چشمِ بصیرت ہے یہ دیدۂ بیِنا کے لئے

مشاجراتِ صحابہؓ کے بارے میں اسلاف کے طرزِ عمل کا ایک نمونہ

——— یہاں ایک صاحب تشیّع سے متاثر تھے، ایک دن کہنے لگے کہ کیا امام حسینؓ کی شہادت کی ذمہ داری حضرت معاویہؓ اور ان کے طرزِ عمل پر بھی عائد نہیں ہوتی؟ میں نے کہا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک مرتبہ ایک بڑے عالم اور ان کی بیوی میں رات کو کچھ تکرار ہوگئی اور درشت کلامی کی نوبت آگئی، ایک صاحب جھانک کر یہ منظر دیکھ رہے تھے، صبح کہنے لگے کہ صاحب شریف گھر کی بیٹی، آپ عالم آپ اس کو اتنا سخت کہہ رہے تھے اور زدوکوب کی نوبت آگئی۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ آپ کو اس کی اطلاع کیسے ہوئے، کہا کہ میں جھانک کر دیکھ رہا تھا، کہا کہ میں اپنے عمل کی توجیہ بعد میں کروں گا، پہلے آپ اپنے عمل کا جواز ثابت کیجیے کہ آپ کو کسی کے خلوت خانہ میں جھانکنے کی اجازت کس نے دی؟ اس کی تو ممانعت ہے۔ میں نے کہا اسی طرح ہم کو صحابہ کرام پر اعتراض کرنے اور ان کو برا بھلا کہنے کی ممانعت ہے۔ اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضاً" اب آپ بتائیے کہ آپ کو قانون و عدالت کی کرسی پر کس نے بٹھایا کہ آپ صحابۂ کرامؓ پر فیصلہ صادر کریں۔ بہت سے لوگ قرآن و حدیث کے بجائے تاریخ پڑھ کر گمراہ ہوئے۔

"صحبتے با اہلِ دل" ملفوظات حضرت شاہ محمد یعقوب مجددیؒ، مرتبہ: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صہ ۱۵۹

خطیبِ اعظم کے حضور

حافظ لدھیانوی
فیصل آباد

نذرانۂ عقیدت

چراغِ درد دلوں میں جلا کے چھوڑ گیا
وہ ساری قوم کو اپنا بنا کے چھوڑ گیا

تمام عمر جلاتا رہا ہے شمعِ وفا
وہ جس کا ثانی زمانے میں دوسرا نہ ہو

وہ ایک صبح کی خاطر تمام رات جلا
مثالِ شمعِ پروانہ تا حیات جلا

رہا ہے برسرِ پیکار زورِ باطل سے
جو نہ آشنا اک بار لطفِ ساحل سے

تمام عمر مقدر میں قید و بند رہی
مگر یہ تنگیٔ دوراں اسے پسند رہی

قدم قدم پہ نیا ایک امتحان رہا
مگر وہ اپنے مقاصد کا ترجمان رہا

وطن کے باغ میں تازہ بہار چھوڑ گیا
وہ حریت کی حسیں یادگار چھوڑ گیا

خلوص و مہر کی تفسیر بن کے آیا تھا
حسین خواب کی تعبیر بن کے آیا تھا

رہا نہ ہم میں وہ سرمایۂ نظر یارو
وہ بجھ گیا ہے مگر کر گیا سحر یارو

وہ اک فسانہ تھا جس کے ہزار عنواں تھے
وہ ایک پھول تھا جس میں کئی گلستاں تھے

تھی اس کی حسنِ تلاوت میں بارشِ انوار
دلوں کو چھیڑ گئی اس کی شوخیٔ گفتار

زباں ایسی فصاحت بھی جس پہ اترائے
وہ دے گیا ہے بلاغت کے ہم کو سرمائے

دلوں کو گرمیٔ احساس سے گداز کرے
وہ جس پہ فنِ خطابت ہزار ناز کرے

وہ ایک پیکرِ احساس عزم کا کہسار
ہر ایک رنگ ہر اک حال صاحبِ کردار

رہا ہے حلقۂ یاراں میں مثلِ موجِ صبا
وہ خلوتوں کا اجالا وہ جلوتوں کی ضیا

وہ بزمِ شعر کی زینت وہ محفلوں کی بہار
وہ حسنِ خلق و محبت کا دلنشیں شہکار

نگاہ میں ہیں وہ پر لطف صحبتیں کیا کیا
سنی ہیں شاہؔ سے ہم نے حکایتیں کیا کیا

ہر ایک لفظ تھا تاریخ زندگانی کی
ہر اک کڑی تھی دل آویز اس کہانی کی

تھا اس کے فقر میں انداز کجکلاہی کا
لباسِ سادہ میں پنہاں تھا رعب شاہی کا

رموزِ عشق سرِ دار کھولنے والا
صداقتوں کو ترازو میں تولنے والا

جنون و شوق کے ہم پر کھلے نئے ابواب
سکھائے اس نے ہمیں بزم و رزم کے آداب

وہ ایک نغمہ کہ اب بھی دلوں میں بستا ہے
وفورِ شوق کا شاداب اب بھی رستا ہے

ہر ایک دل کو دیا سوزِ آگہی اس نے
مرے سخن کو عطا کی ہے دلکشی اس نے

خدا کرے کہ ہو قبر اس کی مطلعِ انوار
وہ جس نے قوم کو بخشی ہے دولتِ بیدار

اسی کی یاد سے حافظؔ متاعِ غم میری
خراج شاہؔ کو دیتی ہے چشمِ نم میری

چمن چمن اُجالا

نمائندہ خصوصی ملتان — بیاد امیر شریعتؒ

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے جدوجہد آزادی کو فیصلہ کن بنایا۔ وہ سامراج کو پوری دنیا میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے،

۳۱ اگست کو دارِ بنی ہاشم ملتان میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس کا اہتمام مجلس احرارِ اسلام ملتان نے کیا۔ جلسہ کی صدارت ابن امیر شریعت سید عطاء المومن بخاری نے کی اور حضرت مولانا محمد یٰسین مدظلہ (امیر شریعت کے خادم خاص) مہمان خصوصی تھے۔

ماہنامہ نقیب ختم نبوت کے مدیر سید محمد کفیل بخاری نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیے۔ مولانا محمد اسحاق سلیمی نے کہا شاہ جیؒ مومنِ کامل اور عظیم مجاہدِ آزادی تھے، انہوں نے عقیدۂ ختم نبوت اور منصبِ صحابہؓ کے دفاع کے لئے شاندار خدمات سرانجام دیں۔ جامعہ خیر المدارس کے مہتمم قاری محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ امیر شریعت ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے اور اسلام کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتے۔

مجلس احرارِ اسلام کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ وہ انگریز سے جنگ نہ کرتے تو آزادی کا سورج اس دھرتی پر جلد طلوع نہ ہوتا۔ انہوں نے فرنگی سامراج کو برسرِ میدان للکارا اور اس کی روحانی و معنوی اولاد پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ چوہدری محمد شفیق ایڈووکیٹ نے کہا کہ شاہ جی پاکستان کی ترقی وبقا کے دل و جان سے آرزومند تھے وہ مسلمانوں کے سارے طبقوں میں ہر دلعزیز اور قابلِ احترام تھے۔ ان کی خطابت فرنگی سامراج کے اقتدار کے لئے سب سے بڑا چیلنج تھی۔ پروفیسر خالد شبیر احمد صاحب نے کہا کہ شاہ جی مرحوم پوری دنیا میں سامراج کو نیست و نابود ہوتا دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک فرنگی اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ نظریات کی سودے بازی کرنے والوں کو شاہ جیؒ نے عمر بھر دھوپ چھاؤں کی اولاد کہا۔ شاہ جیؒ تحریکِ آزادی کے عظیم ہیرو ہیں۔ جلسے کے خاص مہمان حضرت مولانا محمد یٰسین مدظلہ نے کہا کہ شاہ جیؒ کی عزیمت و استقامت ان کی شخصیت کا طرۂ امتیاز تھی۔ مجھے ان کی نجی مجالس سے استفادہ کا بہت موقع ملا۔ جو باتیں اس وقت ان سے سنیں انہیں آج ہم بڑی بڑی کتابوں میں پڑھ رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاہ جی کے پاس علم کا خلاصہ تھا۔ وہ چند جملوں میں جو بات کہتے آج ہم تفسیر کی کتابوں میں پڑھ رہے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ شاہ جی ایک شفیق و مہربان انسان تھے۔ ان کے دل میں اللہ کا خوف اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، دونوں بے پناہ تھیں۔ یہی ان کی شخصیت کی پہچان ہے۔ صدرِ جلسہ جناب سید عطاء المومن بخاری نے کہا کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے قومی، ملی اور اعتقادی

ونظریاتی تشخص کی بقا کی جس جنگ کا آغاز مجدد الف ثانی نے کیا، عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے پوری پامردی اور دیانت داری سے اس جنگ کو فیصلہ کن موڑ سے ہم آہنگ کیا۔ پاکستان ان کی قربانیوں اور ایثار کا نتیجہ ہے۔ وہ جانیں ہتھیلی پر رکھ کر انگریز سے نہ ٹکراتے تو غلامی کی رات طویل ہو جاتی۔ مگر شاہ جی نے برصغیر کا قریہ قریہ چھان مارا۔ کروڑوں انسانوں کے دلوں میں فرنگی کے خلاف نفرت کے شعلے بھڑکائے، بزدلوں کو بہادر بنایا اور بے نواؤں کو جرأتِ گفتار عطا کی سید عطاء المومن بخاری نے کہا کہ وہ تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کا سچا کردار ان کی دائمی زندگی کی علامت ہے۔

انہوں نے کہا کہ آج قوم کو نظریاتی تشخص سے محروم کرنے کی سازشیں کی جا رہی ہیں۔ ایسی شخصیات سے قوم کا رشتہ توڑنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ لیکن یہ سازشیں کامیاب نہ ہوں گی۔ تاریخ کبھی معاف نہیں کرتی۔ ان کی تاریخ لکھی جا چکی ہے۔ مگر نقادوں اور سازشیوں کی تاریخ لکھی جا رہی ہے۔

مجدد الف ثانی اور سید احمد شہید سے لے کر عطاء اللہ شاہ تک ہماری قیادت کا حسین ماضی ہے۔ جن کے تابناک کردار کے سامنے نام نہاد مؤرخ بھی سرنگوں ہے۔ اور یاد رکھو۔ ان کے اُجلے دامن پر چھینٹے پھینکنے والوں کو تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی۔

امیر شریعت نے فرمایا!

لاہور

رانا محمد فاروق

میں نے ہمیشہ اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہا
مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی اپنی کسی حرکت پر ندامت نہیں

۲۷ ستمبر کو نیشنل تھنکر فورم اور پنجابی ادبی سوسائٹی کے زیر اہتمام نیشنل سنٹر میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے یوم ولادت کے سلسلہ میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ جسٹس ریٹائرڈ) خالد محمود نے صدارت کی، اور ماہنامہ نقیب ختم نبوت کے مدیر سید محمد کفیل بخاری مہمان خصوصی تھے۔ قاری محمد یوسف احرار نے تلاوت قرآن کریم سے تقریب کا آغاز کیا۔ سٹیج سیکرٹری محمد رفیق اختر نے تمہیدی کلمات میں کہا کہ شاہ جی نے فرنگی کو اس وقت للکارا جب اس کے اقتدار کا سورج نصف النہار پر تھا۔ آزادی کی طویل جدوجہد میں وہ ہر آزمائش میں ثابت قدم رہے۔ ان کی شخصیت کی پہچان صرف خطابت نہیں۔ انہوں نے اس وصف اور فن کو بطور مشن کے اختیار کیا۔ جس میں وہ کامیاب وکامران ہوئے پروفیسر شاہد کاشمیری نے کہا کہ شاہ جی نے لوگوں میں غلامی کی زنجیریں کاٹ پھینکنے کا جوش و ولولہ پیدا کیا۔

پروفیسر محمد عباس نجمی نے کہا کہ امیر شریعتؒ کی شخصیت برصغیر کی تاریخ کا ایسا باب ہے جسے پڑھ کر منجمد ذہن متحرک ہو جاتے ہیں اور مُردہ دلوں میں جذبۂ عمل تیز ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شاہ جیؒ تو بہت بڑی شخصیت ہیں ہم جیسے لوگ

شاہ جیؒ کے فرزندوں کی صحبت میں بیٹھ کر جرأتِ گفتار کے مالک بن گئے ہیں۔

مہمانِ خصوصی جناب سید محمد کفیل بخاری نے کہا کہ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی جامع شخصیت کے تین پہلو ہیں۔ دینی، سیاسی اور سماجی! انہوں نے لوگوں کے عقائد و اعمال درست کرکے فکر و نظر کو جلا بخشی، ہر قومی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ لوگوں میں غلط رسوم و رواج کے خاتمہ اور معاشی ناہمواری کے خلاف عملی اقدامات اٹھائے اور اسلامی سماجی قدروں کا تحفظ کیا۔ انہوں نے ان تینوں محاذوں پر سامراج کو شکست سے دوچار کیا۔ کارکنوں کی حوصلہ افزائی اور چھوٹوں کو بڑا کرنا ان کی شخصیت کا وصفِ خاص تھا۔ ان کی شخصیت کا سب سے اہم پہلو انہی کی زبانی یہ ہے کہ: "میں نے جو کچھ کیا اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی رضا کے لئے کیا۔ میں نے ہمیشہ اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہا، اور مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی کسی حرکت پر ندامت نہیں؛ میرا سر فخر سے بلند ہے"۔

صدرِ تقریب جسٹس (ریٹائرڈ) خالد محمود نے کہا کہ میرے دل میں بچپن سے آزادی کی تڑپ جس نے پیدا کی وہ شاہ جیؒ کی ذات تھی، ہوش سنبھالا تو ان کی زبان سے انگریز کے خلاف نفرت کے الفاظ سنے۔ الفاظ کیا، شعلے اور شرارے، جنہیں فرنگی تخت و تاج جلا کر خاکستر کر دیے۔ یہ انہی کی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج ہم آزاد ملک کی فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں۔ بلاشبہ وہ تحریکِ آزادی کے قافلہ سالار تھے۔

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سیمینار

ابوشیراز

انہوں نے انگریز افسر سے کاغذ پکڑا،

اس کے ٹکڑے کیے، اس پر تھوکا اور پاؤں تلے مسل دیا"

۳۱ اگست، لاہور ٹاؤن ہال میں امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری کی برسی کے سلسلے میں جلسہ عام کے مہمان خصوصی بخاری مرحوم کے فرزند سید عطاء المحسن بخاری تھے۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض کے لئے شاہد کاشمیری نے مائیک سنبھالا اور جلسے کی صدارت کے لئے جناب احسان اللہ کا نام پکارا۔ تلاوت کلام پاک قاری عبدالقدوس نے کی۔

جناب احسان اللہ نے کرسی صدارت سنبھالنے سے پہلے سید عطا اللہ شاہ بخاری کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

انہوں نے صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے خلاف قانون سازی پر بھی زور دیا۔

صاحب صدر کے بعد رفیق اختر کو دعوت خطاب دی

گئی۔ انہوں نے امیر شریعت کو ایشیا کا عظیم لیڈر قرار دیا اور کہا کہ شاہ صاحب نے مذہبی سیاست کو ہندوستان میں متعارف کرایا اور اسے غریب عوام تک لے گئے۔ انہوں نے اردو کی ترویج و ترقی کے لئے شاہ صاحب کی خدمات کا بھی ذکر کیا۔

عباس نجمی نے پنجابی میں تقریر کی۔ ان کا خیال تھا پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں نہیں آیا تھا اور نہ ہی اسلام یہاں نافذ ہو سکتا ہے۔ سقوط ڈھاکہ ہونے کے بعد کسی نے بتایا کہ مفتی محمود مرحوم نے کہا تھا شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ تھے۔ لیکن میں کہتا ہوں مسلم لیگ نے بھی تو کوئی اچھا کام نہیں کیا" اس دوران مفتی محمود مرحوم کے حق میں نعرہ بازی بھی ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں چہرے بدلتے رہے لیکن سوچ نہ بدلی، یہاں کے سیاستدان،

علماء اور دانشور ہمیشہ اپنے موقف بدلتے رہے۔ انہوں نے مذہبی جماعتوں سے اپیل کی کہ وہ متحد ہو جائیں۔

کفیل بخاری عطا اللہ شاہ بخاری کے نواسے ہیں۔ انہوں نے ہوش سنبھالا تو نانا بستر مرگ پر تھے۔ انہوں نے شاہ صاحب کو ان کے ان دوستوں کے توسط سے دیکھا جو سفر و حضر میں ان کے ساتھ ہوتے اور ریل اور جیل میں بھی شاہ صاحب کا ساتھ دیتے تھے۔ انہوں نے ایک واقعہ سنایا۔ جب شاہ صاحب —— جیل میں تھے تو ایک انگریز افسر ایک کاغذ لے کر آیا غالباً یہ معافی نامہ تھا۔ اس نے شاہ صاحب سے کہا

اگر آپ اس پر دستخط کر دیں تو نہ صرف آپ رہا ہو جائیں گے بلکہ آپ کو اس قدر مال و دولت بھی دی جائے گی کہ آپ کی آنے والی نسلیں بھی فکر معاش سے آزاد ہو جائیں گی۔ شاہ صاحب نے یہ سنا "کاغذ پکڑا" مسکرا کر انگریز افسر کی طرف دیکھا "کاغذ کو پھاڑا" اس کے ٹکڑے ٹکڑے کئے "اس پر تھوکا اور پاؤں تلے مسل دیا۔ یہ تھا ان کا کردار۔ انہوں نے شاہ صاحب کے اس قول پر اپنی تقریر ختم کی "حق سنو" حق کہو اور حق لکھو خواہ کچھ بھی ہو جائے"۔

جعفر بلوچ صاحب نے اپنی نظم سے سامعین کو گرما دیا۔ اگلے مقرر پروفیسر خالد ہمایوں تھے۔ انہوں نے مدیر زندگی مجیب الرحمان شامی کی طرف سے ناسازی طبع کے باعث حاضر نہ ہونے پر معذرت کی۔ بعد ازاں انہوں نے بخاری صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے دو واقعات سنائے۔

پہلا واقعہ خیر المدارس میں جلسے کا تھا۔ شاہ صاحب کھانے کے لئے آئے تو ایک بھنگی کو ایک طرف بیٹھے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے اسے بلایا اور کہا میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ اس نے کہا حضور میں تو بھنگی ہوں۔ انہوں نے کہا تو کیا ہوا تم ایک انسان بھی ہو۔ اس کے ہاتھ دھلائے اور کھانے پر بٹھا دیا۔ بھنگی کھانا کھانے لگا "اس نے آدھا آلو کھا لیا تو امیر شریعت نے اس کا بچا ہوا آدھا آلو پکڑا اور خود کھا گئے" اس کا بچا ہوا پانی پی لیا "بھنگی کی دنیا بدل چکی تھی۔ وہ اگلے دن اپنے بیوی بچوں کے ساتھ آیا اور ان کے دست حق پرست پر مسلمان ہو گیا۔

دوسرا واقعہ بھی بھنگی ہی کا تھا۔ ۱۹۴۳ء میں شاہ صاحب مجلس اسلامیہ جالندھر کے جلسے میں آ رہے تھے۔ ایک بھنگی نے دیکھا تو راہ چھوڑ کر ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ شاہ نے دیکھا تو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا گلے سے لگایا اور کہا کہ تم اس قدر پرے کیوں ہٹے۔ اس نے جواب دیا "جناب میں بھنگی ہوں۔ شاہ صاحب نے کہا کوئی بات نہیں تم ایک انسان ہو اور میرے بھائی ہو۔ بھنگی اس قدر متاثر ہوا کہ اگلے دن اپنے بال بچوں سمیت آ کر شاہ صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ خالد ہمایوں —— رخصت ہوئے اور مجمع پر گہرا تاثر ثبت کر گئے۔

اب میاں محمد اویس نے ایک خوبصورت نظم سنائی جس کے اس شعر پر انہیں بڑی داد ملی۔

اٹھ مجاہد وطن　　اٹھ مجاہد وطن
بانگ حق سنائے جا　قوم کو جگائے جا
تیغ کند ہے تیری　سان پر چڑھائے جا
اٹھ خدا کا واسطہ مصطفیٰؐ کا واسطہ اٹھ مجاہد وطن

اخبار فروشوں کے بزرگ لیڈر مولوی حبیب اللہ نے ایک واقعہ سنایا۔ ایک بار تقریر کے دوران شاہ صاحب تک ایک چٹ پہنچی جس پر تحریر تھا کہ حضورؐ کی رحلت کے بعد تین صحابہ باقی ہو گئے تھے۔ شاہ صاحب نے فرمایا یہ بات لکھنے والا حضورؐ کی توہین کرتا ہے کہ حضور چالیس برس تک اپنے ساتھیوں کو سمجھ نہ سکے۔

اگر حضورؐ ان سے نالاں ہوتے تو دونوں صحابہ ان کے پہلو میں دفن نہ ہوتے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میرے صحابہ نبی کریمؐ کے نقش قدم پر چلے

مہمان خصوصی جناب عطا المحسن بخاری نے تقریر شروع کی تو ہال میں سناٹا چھا گیا۔ سوا دو گھنٹے کے طویل خطاب میں انہوں نے کہا کہ مذہبی لوگ انیس جماعتوں میں منقسم ہیں انہیں متحد ہو جانا چاہئے۔ اہل حدیث "بریلوی" دیوبندی "اپنے اختلاف مٹا کر متحد ہو جائیں تو تیسری قوت کے طور پر ابھر سکتے ہیں۔

ان کی تجویز تھی مولانا فضل الرحمان اور مولانا سمیع الحق "مولانا درخواستی اور مولانا خان محمد کے پاس آئیں غلط فہمیاں دور کر کے ایک جماعت ہو جائیں۔

ممتاز محقق مولانا حکیم محمود احمد ظفر کی نئی کتابیں

- اسلام اور عورت کی حکمرانی
- فتنۂ جمہوریت
- صحابہ کرام اور اہل بیت نبوت کے تعلقات اور رشتہ داریاں

دفتر "نقیب ختم نبوت" سے طلب فرمائیں!

خادم حسین

زبان میری ہے بات ان کی

——— چودہ جماعتیں مل کر حکومت نہیں چلا سکتیں ، ان کی جوتیوں میں دال بٹے گی ۔ (اصغر خان)

اور آپ کی دال میں جوتیاں بٹیں گی ۔

——— اسلم جہانگیری (ریمجر ریٹ) نے کاغذات نامزدگی جمع کروائے ، ووٹروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عورتیں اور مرد دونوں ناکام ہو چکے ہیں ۔ اب ہمارا نمبر ہے ۔ (ایک خبر)

انہیں پاکستان کی تیسری قوت (تیسری دنیا) طاہر القادری سے رابطہ کرنا چاہئے ۔

——— دورِ رسالت میں ربوٰا کا صحیح مفہوم متعین نہیں کیا گیا ۔ (وحید رضوی ہفت روزہ "ندا" ستمبر ۱۹۹۰ء)

تمہارا قصور نہیں ، خمینی نے بھی یہی کہا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی نبی اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہوا ۔

——— بے نظیر اسلام آباد میں واقع اپنی جائیداد فروخت کر رہی ہیں ۔ (ایک خبر)

جلدی کریں کہیں حکومت ضبط نہ کر لے ۔

——— ٹکٹ ملے نہ ملے ۔ الیکشن ضرور لڑوں گا ۔ (پیر فضل حق)

پیر صاحب ! کہیں ودآؤٹ نہ پکڑے جائیں ۔

——— بے نظیر بھٹو کو نااہل قرار دیا گیا تو کشمیر میں بھی سخت ردِ عمل ہو سکتا ہے (ممتاز راٹھور)

" تیری میری اک جندڑی ۔ تینوں تاپ چڑھے میں ہونکاں " ۔

——— قصاص اور دیت کے قانون سے قتل کی وارداتوں میں اضافہ ہوگا ۔ (سید افضل حیدر)

رات کے تاریک سناٹوں کی پیداوار لوگ — میکدے میں سیرت خیر البشر پہ نکتہ چیں

——— مہاتما گاندھی بھی بن جاؤں تو جمہوریت کی ضمانت نہیں دی جا سکتی ۔ (بے نظیر)

ذوالفقار علی بھٹو بننے سے کیوں نفرت ہے ؟

——— جمہوریت کا کوئی متبادل نہیں ۔ (نوابزادہ نصر اللہ خان)

جس میں ایک عالم کی رائے کے مقابلے میں سو بدمعاشوں کی رائے زیادہ وزنی ہے ۔

—— سندھ میں ڈاکوؤں نے قانون نافذ کرنے والے اداروں کے سات ارکان ہلاک کر دیئے۔ (ایک خبر)

ہلکا پھلکا ناشتہ پروگرام!

—— ۱۹۷۱ء میں کوثر نیازی نے ہمارا نکاح پڑھایا۔ مصطفیٰ کھر میری شادی کے گواہ تھے۔ (رکھشوکی تیسری بیوی حسنیٰ شیخ)

نوجوان عمر کے انکار جواں یاد آئے — قول و اقرار بھی آئے تو کہاں یاد آئے

—— مولانا نورانی نے اصغر خان سے انتخابی اتحاد کر لیا۔ (ایک خبر)

محفل میں اس خیال سے پھر آ گیا ہوں میں — شاید مجھے نکال کے کچھ کھا رہے ہوں آپ

—— طاہر القادری پیپلز پارٹی کے ایجنٹ ہیں۔ (مجید ملک)

مال چاہیئے مال! جہاں سے بھی مل جائے۔

—— بے نظیر کے دوبارہ اقتدار میں آنے تک چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ (اصغر خان)

فتی دے تنخواہ یار —— میدا، شیدا، ساجا لوہار

—— نورانی جنہیں خوش کر رہے ہیں۔ ان ہی کے ہاتھوں ان کی دستار اور جبہ تار تار ہو چکا ہے (جماعت اسلامی)

پیر مغاں کی توبہ تلا — دودھ کا نگراں باگڑ بلا
چور اچکے چوہدری بنے — بابا جی! انگور ہیں کھٹے

—— ہم نے بے نظیر کی نہیں، عورت کی حکمرانی کی مخالفت کی تھی۔ (فضل الرحمٰن)

متعہ کی نہیں زنا کی مخالفت کی تھی۔

—— صدام حسین اسلام کی آخری امید ہیں۔ (میجر ریٹائرڈ رشید وڑائچ)

صدقے او صدقے! کفن پھاڑ کے بولیا ایں۔

—— پیسے پیسے کا حساب دینے کو تیار ہیں۔ (سید افتخار گیلانی)

بے نظیر کے وزیر قانون اور مسرت نذیر کے بہنوئی کتنے پاک صاف ہیں۔

—— ہم قرآن کی روشنی میں نظام میں تبدیلی لانا چاہتے ہیں۔ (علامہ ساجد نقوی)

کون سے قرآن کی روشنی میں جسے آپ کا امام لے کر غار میں چھپا بیٹھا ہے۔

—— ہم "حقدار" کو حق دلانے میدان میں اترے ہیں۔ (اصغر خان)

پہلے اسی "حق دار" کے والد کو تختہ دار پر لٹکانے میدان میں اترے تھے۔

—— عورت وزیر بن سکتی ہے سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی۔ (مولانا عبدالستار نیازی کا ٹی وی انٹرویو)

اناں مارے اتی لوں — گھسن وجے تھمی لوں!

ذوالکفل بخاری

حسنِ انتقاد

تبصرہ کیلئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نہج البلاغہ، تاریخ کی روشنی میں

اثرِ خامہ :۔ علامہ محمود احمد عباسی مرحوم قیمت ۱۲/

ناشر :۔ میسون پبلی کیشنز، متصل مسجد آم والی پل شوالہ، ملتان

امیرالمومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خطبات و مواعظ کا جو مجموعہ "نہج البلاغہ" کے نام سے موجود ہے، مشرکینِ عجم کے ہاں اسے جائز طور پر بے پناہ قبولیت اور احترام حاصل ہے اور وہ اسے الہامی کتاب سے کم کیا درجہ دیتے ہوں گے؟

اصول و عقائد کے قطعی اور ناگزیر دینی حوالوں کی رُو سے تو دینِ عجم تمام بولہبی اور تمام سازش ہے ہی مگر تاریخ و تہذیب کے کسی ایک عصری حوالہ سے بھی دینِ عجم میں صدق و صواب کا گذر نہیں! "نہج البلاغہ" کے متعلق، ایک ہزار برس کہ جب سے یہ کتاب لکھی گئی ہے، ایرانی دھرم کے پجاریوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ کتاب "مولا" علی رضی اللہ عنہ کی غیب دانی، علم لدنی، تکوینی تصرفات، قدرتِ زبان، زورِ بیان، فصاحت و بلاغت اور خطابتی ادب کی عظمتوں کا زندہ ثبوت ہے۔ جب کہ علماء و مفکرینِ اسلام نے ہمیشہ اس دعویٰ کو باطل قرار دیا ہے۔ اسی موضوع پر تجزیہ و مطالعہ اور تحقیق و تنقید کا جو معیار زیرِ تبصرہ کتاب میں (نہج البلاغہ تاریخ کی روشنی میں) نظر آتا ہے، اس کی مثال ملنا محال ہے فاضل مصنف، دلائل و براہین کی پوری قوت سے قاری کو یہ باور کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ "نہج البلاغہ" کو حضرت علیؓ سے منسوب کرنا ایک تاریخی جھوٹ اور ناپاک جسارت ہے۔ اس علمی بدکاری کے مرتکب سازشیوں کی مجرمانہ ذہنیت اور اس کتاب کی تصنیف کے محرکات و مقاصد کو جس بھرپور انداز میں بے نقاب کیا گیا ہے، وہ فاضل مصنف کے قلم کا اعجاز ہے۔ انہوں نے "نہج البلاغہ" میں موجود بیسیوں تاریخی و کلامی تضادات و تلبیسات کو واضح کیا ہے، اور ہمیشہ کے لئے ثابت کر دیا ہے کہ اس کی سیدنا علی المرتضیٰ سے نسبت ہر اعتبار سے غلط، بے اصل اور بے ہودہ ہے۔

ایسی بلند پایہ کتاب کا اردو میں لکھا جانا بجائے خود ایک نعمت ہے اور اس سے فائدہ نہ اٹھانا اپنے آپ سے زیادتی کے مترادف ہے۔

عمدہ کتابت، طباعت، جلد بندی اور مناسب قیمت کے ساتھ یہ کتاب ناشرین کے علاوہ ملک کے اہم دینی کتب خانوں پر بھی دستیاب ہے۔!

سُنّتِ نبوی کا انکار کفر ہے

مؤلف: سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز حفظہ اللہ تعالیٰ
مترجم: مولانا غلام مصطفےٰ احسن، قیمت درج نہیں ہے

سنتِ نبوی کی آئینی، قانونی اور تشریعی حیثیت کا انکار، اسلام کے خلاف ایک گہری سازش کا نیا روپ ہے۔ آج کل "کمیونسٹوں کے شعبۂ اسلامیات کے انچارج" پاکستان میں ڈاکٹر یوسف گورایہ ہیں اور انہیں بیورو کریسی اور عدلیہ کے سابق و موجود ارکان کی بھاری تعداد کی حمایت حاصل ہے۔ گورایہ سے پہلے یہی "فریضہ" مسٹر غلام احمد پرویز ذرا مختلف طریقہ واردات کے ساتھ انجام دیتے رہے ہیں۔ اباحیت پرستوں کی اس تحریکِ تجدد کے خلاف اس قسم کے کتابچوں کی اشاعت، ایک گراں قدر دینی و ملی خدمت ہے۔ خصوصاً جب کہ اس باب میں ہمارے موجودہ علماء اور دانشوروں کی سنگین بے نیازی اور بھی اندوہناک ہے۔ اس لئے اکیمان مسجد اور فرزندانِ تہذیب دونوں کو اس مقالہ سے استفادہ کرنا چاہئے۔

یہ خوبصورت کتابچہ 'المکتبۃ المحمدیہ' ۸۶ اے، غلام محمد آباد فیصل آباد سے شائع ہوا ہے اور وہیں سے مل سکتا ہے۔!

تنقید اور حقِ تنقید

مؤلف: مولانا محمد یوسف لدھیانوی، قیمت ۴/-
ناشر: سنی تحریک طلبہ، مدینہ بازار، ذیلدار روڈ، اچھرہ لاہور۔

اس مضمون میں جماعتِ اسلامی اور مودودی صاحب مرحوم کے "فلسفۂ تنقید" کے بودے پن کو واضح کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع پر یہ ایک نمائندہ تحریر ہے۔ تاہم اس تحریر کی افادیت دوچند ہو جاتی اگر اس میں ان علماء پر بھی گرفت کی جاتی جو اہلِ سنت کی خدمت کے نام پر "مودودیت" کی اشاعت فرما رہے ہیں۔ جیسا کہ اس کتابچہ کے ص۱۱ پر مودودی صاحب کی یہ عبارت قابلِ اعتراض گردانی گئی ہے ــــ "تاریخ بتاتی ہے اور صحیح بتاتی ہے کہ مروان اور یزید امتِ مسلمہ کے نزدیک ناپسندیدہ شخصیتیں سمجھی جاتی ہیں۔ یہ نرم سے نرم الفاظ ہیں جو مروان اور یزید کے بارے میں کہے جاسکتے ہیں۔"

بالکل یہی بولی بولنے والے کئی حضرات آج علماء کے حلقوں میں بھی معتبر اور محترم ہیں۔ کاش اس المیہ کا کوئی علاج ہوتا۔!

(۱) فکر کے ہمراہ ایک سفر / (۲) اسلام کو چھپاؤ

مصنف : آفتاب احمد شمسی ، قیمت ۲۶/-
ناشر : پاکستان اسلامک سنٹر
۱۲ - لارنس روڈ لاہور -

یہ دو ایسی قلمی کاوشیں ہیں کہ جن کا لکھنے والا نہ تو سکہ بند قسم کا ادیب و دانشور معلوم ہوتا ہے اور نہ کوئی عالم دین قسم کی چیز ! لیکن ان تحریروں میں جو نظریاتی رچاؤ اور اسلوب کا تیکھا پن موجود ہے ، وہ بیک وقت "کالمانہ" بھی ہے اور "عالمانہ" بھی !

یہ معلومات افزا ، خیال آفریں اور فکر انگیز کتابیں صدیقی ٹرسٹ ، نسیم پلازا ، السبیلہ چوک نشتر روڈ کراچی سے بھی حاصل کی جا سکتی ہیں ۔

اگر اب بھی نہ جاگے تو .....

نتیجہ فکر - مولانا شمس نوید عثمانی ، ہدیہ (بطور صدقہ جاریہ) ۲۱/-
ناشر - پاکستان اسلامک سنٹر ۱۲ ، لارنس روڈ ، لاہور

مولانا شمس نوید عثمانی لکھتے ہیں :- "چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں بہت بڑی تعداد میں ہمارے علماء نے توریت زبور ، اور انجیل کو کھنگال ڈالا لیکن کتنے علماء ایسے ہیں جنہوں نے ہندو دھرم کا مطالعہ کیا ؟ ...... یقین کیجئے یہ قوم بڑی متلاشی ہے ۔ صدیوں سے ان افراد کی ، جو انہیں ان کا دھرم سمجھا سکیں ، جسے آج تک خود بھی نہیں سمجھ سکی ہے لیکن اس سے چمٹی ہوئی ہے کہ یہ ان کا دھرم ہے ! ..... کیا ہم اسلام کو اس حیثیت سے ان کے سامنے پیش نہیں کر سکتے کہ یہی تمہارا اصل دھرم تھا اور قرآن کی روشنی میں ان کے دھرم کی گتھیاں سلجھا کر یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ یہی دین ہے جسے نوح ؑ (منو) نے پیش کیا تھا" ! (ملخصاً)

عثمانی صاحب نے اپنے انہی خیالات کو علمی جامہ پہنایا ہے اور یہ تہلکہ خیز کتاب قوم کے سامنے پیش کی ہے ۔
عثمانی صاحب بھارت کے ممتاز اہلِ قلم میں سے ہیں اور ہند و پاک کے علمی حلقوں میں ان کے اندازِ نگارش کو غیر معمولی پذیرائی حاصل ہے ۔ ان کی یہ تازہ تالیف عالمگیر تبدیلیوں کے فکری و نظری تناظر میں وقت کے اہم تقاضوں کی تکمیل کی انتہائی جاندار کوشش ہے ۔

ساداتِ بنو امیہ

مؤلف - مولانا حسین احمد قریشی ، قیمت ۵/-
ناشر - مکتبہ ربانیہ بھوئی گاڑ براستہ فاروقیہ ضلع اٹک

بہت معلوماتی اور بہت جامع کتابچہ! کچھ اندازہ چند ایک عناوین سے کیا جا سکتا ہے مثلاً باری تعالیٰ کی بنو امیہ نوازی۔ حضور علیہ السلام کی بنو امیہ نوازی ـــ امام ابو بکر صدیقؓ کی بنی امیہ نوازی ـــ امام فاروقؓ کی بنی امیہ نوازی ـــ امام علیؓ کی بنی امیہ نوازی ـــ فسق یزید کی بحث ـــ مشاجرات صحابہ ـــ بنو امیہ کے ہاشمی داماد ـــ ہاشمیوں کے اموی داماد وغیرہ۔!

صحابہ اور اہل بیت کے تعلقات اور رشتہ داریاں

مؤلفہ: حکیم مولانا محمود احمد ظفر مدظلہ: قیمت ۲۵/-، ناشر۔ ادارہ معارف اسلامیہ، مبارک پورہ، سیالکوٹ، مولانا فرماتے ہیں: "اس کتاب میں شیعہ سنی کتابوں سے دلائل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور اہل بیت نبوت کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ ان کی آپس میں رشتہ داریاں بھی تھیں اور ہر مشکل وقت میں وہ ایک دوسرے کی معاونت بھی کرتے تھے ـــ مجھے امید ہے اگر قاری تعصب سے خالی ہو کر اس کتاب کو پڑھے گا تو اس کے خیالات میں درستگی اور محبت پیدا ہو گی۔"

ہماری رائے ہیں حضرت مولانا کا یہ "مشورہ" بھی ازراہِ شفقت و خیر خواہی ہے کہ اس کتاب کو تعصب سے خالی ہو کر پڑھا جائے۔ اگر کوئی تعصب سے لیس ہو کر بھی پڑھنا چاہے تو ضرور پڑھے بس ذرا ڈھیٹ ہڈی والا ہونا چاہیئے کیونکہ ایسے "پڑھاکوؤں" کے متعلق اندیشہ ہے کہ کہیں دورانِ مطالعہ سوءِ ہضم، اختلاج قلب، ہذیان، فالج، لقوہ، مراق وغیرہ کی شکایت بڑھ نہ جائے۔

اسلام اور عورت کی حکمرانی

مؤلف: مولانا حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ۔ قیمت ۱۲/-۔ ناشر: بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان۔ اس موضوع کو اگرچہ نام نہاد "مذہبیوں" اور بد نہاد "سیاسیوں" نے بازیچۂ اطفال بنانے کی بھرپور کوشش کی ـــ "لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی"! پیشِ نظر کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں "قرآن و سنت اور تاریخ و فقہ کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ملحدانہ ذہن کی ہزار ہا تاویل اور تحریف کا شافی جواب دیا گیا ہے اور مغربی مفکرین کے نظریات کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حیاتیاتی اور فطری لحاظ سے عورت میں زمامِ اقتدار سنبھالنے کی اہلیت ہی نہیں رکھی گئی" ـــ کسی کو شک ہو تو اوّل تو اسے یہ

کتاب پڑھنی چاہیئے۔ اور دوم حال میں انجام آشنا ہونے والی حکومت کے بیس ماہ کا جائزہ لینا چاہیئے۔ اس سے پہلے کہ تازہ الیکشنی بخار اترتے اترتے اپنے مابعد اثرات میں وہی "کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز" قوم کی تقدیر" ٹھہرا دے۔ ضروری ہے کہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔

عورت کی حکمرانی

از قلم — مولانا زاہد الراشدی ؛ قیمت درج نہیں۔ صفحات ۔ ۱۶
پیش کش : الشریعۃ اکیڈمی پوسٹ بکس ۲۳۱ گوجرانوالہ

شاعر نے کہا تھا کہ :ـ

شیف اندازِ بیاں، بات بدل دیتا ہے ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں

ھمیں مولانا حکیم محمود احمد ظفر اور مولانا زاہد الراشدی کے درمیان بس یہی فرق محسوس ہوا، ایک کاوش میں تفصیل کا حسن ہے تو دوسری میں اجمال کی دلآویزی! مولانا زاہد الراشدی نے مغربی مفکرین سے اعتنا نہیں کیا۔ البتہ انہوں نے چودہ سوسالہ اجماعِ امت کو خوب خوب بیان کیا ہے۔ اور علماء کرام کو "مفید مشورے" بھی دئیے ہیں کہ جن کی "پذیرائی" کا حال خود انہیں بھی اچھی طرح معلوم ہے۔

****

خوش خبری

خالص روغن بادام، خالص خشخاش روغن
خالص شہد، روغن کنجد (تلوں کا تیل)

وہمہ قسم کے روغنیات و عرقیات خرید فرمائیں، نیز ہمارے ہاں بچوں کے سوکڑا پن، اٹھرا کا علاج آیات قرآنی سے فی سبیل اللہ کیا جاتا ہے آزمائش شرط ہے۔

نوٹ : تبخیر معدہ، دائمی قبض، معدہ کی تمام امراض کی مؤثر کامیاب جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ کیپسول خرید فرمائیں ؛

قاسمی دواخانہ
(نزد مسجد رئیس غازی والی گلی میں)
قذافی بازار، صادق آباد، فون ۲۴۸۶

زبانِ خلق

عزیز محترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مختلف ذرائع سے یہ معلوم کرکے بہت مسرت ہوئی کہ اللہ کے فضل وکرم سے ماہنامہ "نقیبِ ختمِ نبوت" کے وقار میں اضافہ ہورہا ہے اندرونِ ملک کے علاوہ خصوصاً انگلستان میں لوگ اسے شوق و ذوق کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس کا ایک وزن محسوس کرتے ہیں۔ میرے ایک عزیز شاگرد جو ماشاءاللہ ایک فاضل عالمِ دین ہیں اس کے ساتھ ایک اچھے انگریزی دان بھی ہیں۔ انگلستان میں مقیم ہیں انہوں نے بھی مجھے یہ بات کہی جس سے بہت خوشی ہوئی۔ میں نے چاہا کہ یہ خوشخبری آپ تک بھی پہنچا دوں۔ کسی مومن کا دل خوش کرنا بھی تو کارِ ثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مفید و نافع رسالے کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائیں (آمین)

والسلام

(حضرت مولانا) محمد اسحاق صدیقی عفا اللہ عنہ، کراچی

محترم۔ سلام مسنون! نقیبِ ختمِ نبوت اس وقت دینی صحافت کی صفِ اول میں ہے اور نوجوانوں کی فکری و نظریاتی تربیت میں اہم کردار ادا کر رہا ہے!

اللہ تعالیٰ ادارہ نقیبِ ختمِ نبوت کو زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچانے اور بین الاقوامی توسیع اشاعت کے اسباب مہیا فرمائیں اور اپنے خصوصی فضل وکرم سے غائبانہ نصرت فرمائیں (آمین) خیر طلب

فقیر عبدالواحد بیگ المرحوم، محلہ سادات، دہلی گیٹ ملتان،

محترم: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

رسالہ نقیبِ ختمِ نبوت ایک دوست کے پاس دیکھا۔ لے کر پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا۔ ماشاءاللہ بڑا معیاری پرچہ ہے۔ ہر ایک مضمون قابلِ تعریف ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک دن دوگنی رات چوگنی ترقی نصیب کرے۔ (آمین) عبدالمجید ہزاروی)

السلام علیکم

نقیبِ ختمِ نبوت دیکھ کر راحت قلب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کے ایمان و عمل میں برکت جاری فرمائے (آمین) چکوالی فتنہ کا محاسبہ و تعاقب مثالی ہے۔ حضرت کے خاندان کی یہی ریت ہے جس کا نقیبِ ختمِ نبوت کے ذریعہ انہوں نے حق ادا کر دیا ہے۔ مجھے بہت زیادہ خوشی ہے کہ آپ نے عقیدۂ ختمِ نبوت کا صحیح معنوں میں تحفظ کیا ہے یعنی مرزائیوں کے علاوہ رافضیوں کا تعاقب بھی کیا ہے جو نظریۂ امامت کی وجہ سے عقیدۂ ختمِ نبوت کے منکر ہیں اس دور میں حق کا یوں اظہار کرنا جرأت ایمانی ہے۔ ورنہ بعض جعلی سُنّی اور چھپے رافضی تو صرف اپنی پیری مریدی کی دکان چمکانے اور شخصیت سازی کے مکروہ اور دنیا دارانہ مرض میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں اور اس پر غضب یہ کہ تنقید خلیفۂ راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ دشمنانِ صحابۂ رسول کے مقابلہ میں آپ کی تائید و نصرت فرمائے (آمین) ——— محمد معاویہ

معاویہ دارالاشاعت باغبانپورہ لاہور

عزیزِ مکرم! وعلیکم السلام

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

حضورِ ختمی مرتبت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کا جان نثار، سراپا اخلاص، مجسمۂ اخلاق وایثار و وفا کی اعلیٰ اقدار کا حامل، حافظِ قرآن، صوم وصلوٰۃ کا پابند، تحریک طلباءِ اسلام اور تحریک تحفظ ختم نبوت کا رضا کارِ جگرداراحرار اسلام کا شیدائی، صحابہ کرام کا فدائی۔ دینی، ادبی، سیاسی جریدہ کی ادارت، وکالت میں خدمت، اردو کا ادیب طرحدار اور شعر وشاعری سے شغف، چہرہ شگفتہ، گفتگو میں مٹھاس صبر واستقامت کا پہاڑ، بے عیب جوانی اور شرم وحیا کا پیکر۔

یہ تھے حافظ محمد یوسف ستیال احمد پوری جو اپنے سوگوار والدین، بھائیوں، بہنوں، عزیزوں، جماعتی قائدین اور ساتھیوں کو بالخصوص اور احمد پور شرقیہ کے اہلیان کو بالعموم غم و اندوہ کے آنسو بہاتے ہوئے چھوڑ کر راہی ملکِ بقا ہوئے شادی کی نوبت نہ آئی۔ کہ کوئی نشان ہی پسماندگان کے لئے موجبِ تسلی واطمینان ہوتا۔

کل آپؐ کا مرسلہ حزینہ کھولتے ہی نامعلوم حواس کو کیا ہوا۔ کہ کافی دیر تک بغیر کسی نقل وحرکت کے جامد رہا۔ مجھے عزیزِ مرحوم کی وہ آخری صحبت یاد آگئی۔ آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کی تقریب عروسی کے سلسلہ میں ولیمہ میں شرکت کے لئے بہاولپور تشریف لائے تھے۔ اور باوجود ناسازیٔ طبع کے غریب خانہ پر [illegible] وقت گزارا تھا یہ آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ (جس میں دل کھول کر باتیں ہوئیں۔)

میں انہیں کہنا چاہتا تھا کہ ٹھیک ہوں، ڈاکٹروں کو جانے دیجئے۔ جو دل چاہے کھائیں پئیں کہ مجھے کچھ کھٹکا سا لگ رہا تھا۔ پھر بات منہ پر آجاتی تھی رک جاتی رہی کہ نامعلوم کیا محسوس کریں میں اس ملاقات کے دوران دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا رہا کہ یا اللہ ہم تو عمرِ طبعی گذار کر ستر ابہتر ا گئے ہیں ہماری کوئی بقایا عمر ہے تو اس نوجوان کے حصہ میں ڈال دیجئے لیکن اُس کی مشیت کے آگے کسی کی نہیں چل سکتی۔ ہم عاجز رہ جاتے ہیں

کل رات جب میں معمول کے مطابق حرم شریف میں حاضر ہوا تو مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے طواف مع رکعتین کی ادائیگی کی، اور آج صبح عمرہ کی ادائیگی بھی مرحوم کے ایصال ثواب میں کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ منظور ومقبول فرمائیں۔ اور مرحوم ومغفور کی مغفرت فرماکر اعلیٰ علیین میں سرفراز فرمائیں۔ گھر کے دیگر افراد بھی حسبِ توفیق ایصال ثواب کر رہے ہیں اور اظہارِ افسوس کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے اہلِ خانہ کو صبرِ جمیل کی توفیق ارزانی فرمائیں (آمین)

شریکِ غم

خاکپائے احرار بندہ محمد حسن چغتائی عفی عنہ۔

صدر مرکزیہ عالمی مجلس احرار اسلام پاکستان

حال مقیم مکہ مکرمہ ۱۴ محرم ۱۴۱۱ھ

۵ اگست ۱۹۹۰ء

لہ حافظ صاحب مرحوم سے دوست، مجلس احرار اسلام کے رہنما سید محمد رشد بخاری ایڈووکیٹ

محترم سلام مسنون !

ماہنامہ "نقیبِ ختمِ نبوت" مل گیا ہے مکمل پڑھ کر ابھی فارغ ہوا ہوں ۔ ماشاء اللہ ہر مضمون اپنی حیثیت کے لحاظ سے نرالا ہے ۔ مضامین معلومات میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں ۔

اداریہ میں ووٹ کی حیثیت اور امیدوار کی اہلیت کے بارے میں وضاحت کافی وشافی ہے ۔ حافظ مسعود احمد صاحب کا مضمون "مصطفےٰ ماہ ، صحابہ انجم" رضی اللہ عنہم خوب ہے "قادیانی فوج سے خبردار" ایک چونکا دینے والا اور برسرِ اقتدار افراد کے لئے قابل غور وفکر مضمون ہے ۔

"جادۂ اعتدال" ناقدین صحابہ کرام کا علمی اعتبار سے منفرد محاسبہ ہے ۔ "یونیورسٹی کی دنیا" موجودہ تعلیمی دور کی حقیقی عکاسی کرتا ہے ۔ "حافظ شیرازیؒ کا شعر" بھی واقعی ایک علمی انکشاف ہے ، اور "گھر کی چمک" تو وقت کا تقاضا ہے ۔

ابو معاویہ رحمانی ۔ بستی مولویان ۔ رحیم یار خان

مدیر محترم !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

"نقیبِ ختمِ نبوت" کا ہر شمارہ خوب سے خوب تر ہوتا ہے ۔ بار بار پڑھنے کے باوجود طبیعت سیر نہیں ہوتی ۔ کئی احباب نے بھی پڑھ کر بہت تعریف کی ہے ۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ !

دراصل یہ ایک دبی ہوئی مجاہدانہ تحریک ہے ۔ خصوصًا "دل کی بات" اور دیگر مندرجات اپنے اپنے مقام اور نوعیت کے اعتبار سے ایک سے ایک اعلیٰ معیار اور قابلِ تحسین ہیں ۔

ابو میمونہ ، تونسہ شریف

مسلمانو !

ہمارے صرف تین دشمن ہیں :

○ دشمنِ خدا ○ دشمنِ رسول ○ دشمنِ ازواج و اصحابِ رسول

آیئے متحد ہو کر پاکستان کو کمیونسٹوں ، مرزائیوں اور رافضیوں کی لوٹ کھسوٹ اور تخریب کاری سے بچانے کا عہد کیجئے ۔

آپ کے مُطالعہ کے لئے اچھی اور سستی کتابیں

اسلام کے خلاف یہودیوں، رافضیوں، سبائیوں اور مرزائیوں کی زہرناک سازشوں سے آگاہی کیلئے

معیاری اور سستی کتابیں

برأت عثمان رضی اللہ عنہ	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ	۱۰/۰۰
تجدید سبائیت	امام اہل سنت مفتی محمد اسحاق صدیقی	۱۰/-
امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ	پروفیسر علی احمد عباسی	۹۰/۰۰
سیدنا عثمان شخصیت و کردار رضی اللہ عنہ	حکیم محمود احمد ظفر	۹۰/۰۰
صحابہ کرام اور اہل بیت نبوت کے تعلقات اور رشتہ داریاں	حکیم محمود احمد ظفر	۴۶/=۰۰
صحابہ کرام اور ان پر تنقید !	مولانا محمد عبداللہ	۳۶/۰۰
فتنہ جمہوریت	حکیم محمود احمد ظفر	۳۰/۰۰
نہج البلاغہ تاریخ کی روشنی میں !	محمود احمد عباسی	۱۲/-
بادشاہ بیگم اودھ	محمود احمد عباسی	۳۰/-
اسلام اور عورت کی حکمرانی	حکیم محمود احمد ظفر	۱۰/۰۰
قادیان سے اسرائیل تک	ابومدثرہ	۴۰/-
اسلام اور مرزائیت تقابلی مطالعہ	مولانا محمد عبداللہ	۱۰/-
لہٗ دعوۃ الحق قادیانیوں کو دعوت اسلام	مولانا محمد عبداللہ	۲۰/۰۰
مسئلہ ختم نبوت علم و عقل کی روشنی میں	مفتی محمد اسحاق صدیقی سندیلوی	۱۵/۰۰
حضرت حسینؓ کے قاتل خود شیعہ تھے !	مولانا اللہ یار خانؒ	۵/۰۰
خون عثمانؓ	حسن الدین سہروردی	۱۰/۰۰
خمینی کے بارے میں علماء کا متفقہ فیصلہ	مولانا محمد منظور نعمانی	۲۴/۰۰
مقام صحابہؓ و اہل بیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ	ادارہ	۱۰/۰۰
تائید آسمانی در رد قادیانی	مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ	۵/۰۰
بطل حریت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ	ابوسفیان نائب	۱۲/۰۰
سرخ لکیر	ماسٹر تاج الدین انصاریؒ	۱۰/-

شان صحابہ رضی اللہ عنہم اور رد رفض و سبائیت پر مشتمل نعروں والے سٹکر ۲۵ سٹکر کا ایک سیٹ ۱۲/- روپے میں، دس سیٹ منگوانے پر صرف ۱۰۰/- روپے بھیجیں ڈاک خرچ خریدار کے ذمہ ہوگا

فون ۷۲۸۱۳

٭ بُخاری اکیڈمی ٭ دارِ بنی ہاشم ٭ مہربان کالونی ملتان

زیرِ تعمیر:

فون ۷۲۸۱۳۱

جامع مسجد ختمِ نبوّت

دارِ بنی ہاشم — مہربان کالونی — ملتان

زیرِ اہتمام: تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

جد کی بنیادیں مکمل ہو چکی ہیں، تعمیر کی تکمیل میں بھرپور حصہ لیں، نقد و سامانِ تعمیر

وں صورتوں میں تعاون فرمائیں — ترسیلِ زر کیلئے:

نتظم و متوّلی ابنِ امیرِ شریعت سیّد عطاء المحسن بخاری، دارِ بنی ہاشم — ملتان

اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲، حبیب بنک حسین آگاہی ملتان

MONTHLY
NAQEEB-E-KHATM-E-NUBUWAT
Regd. No L. 8755 Vol No-1 No. 10 MULTAN

مجید لاہوری مرحوم

ڈڈاں ڈڈاں ڈڈاں کو ووٹ دو

اے زمیں کی پستیو! تم آسماں کو ووٹ دو
خاک کے ذرّو! اٹھو اور کہکشاں کو ووٹ دو

مہرباں کو ووٹ دو نامہرباں کو ووٹ دو
مختصر یہ ہے کہ دستِ زرفشاں کو ووٹ دو

سیٹھ قاروں کا ہے پورا خانداں امید وار
سیٹھ قاروں جی کے پورے خانداں کو ووٹ دو

ووٹ جیسی شے نہیں کیڑے مکوڑوں کے لئے
سب سے جو اونچا ہو بس تم اس نشاں کو ووٹ دو

ووٹ کا حق دار وہ ہے جو غلط وعدے کرے
فور ٹوئنٹی اور مسٹر فراڈ خاں کو ووٹ دو

تین میں سے ایک تو دو ووٹ کالے چور کو
خواہ اس کے بعد تم سارے جہاں کو ووٹ دو

آج کل گلیوں میں لونڈے گا رہے ہیں اے مجیدؔ
ڈڈاں ڈڈاں، ڈڈاں، ڈڈاں ڈڈاں ڈڈاں کو ووٹ دو